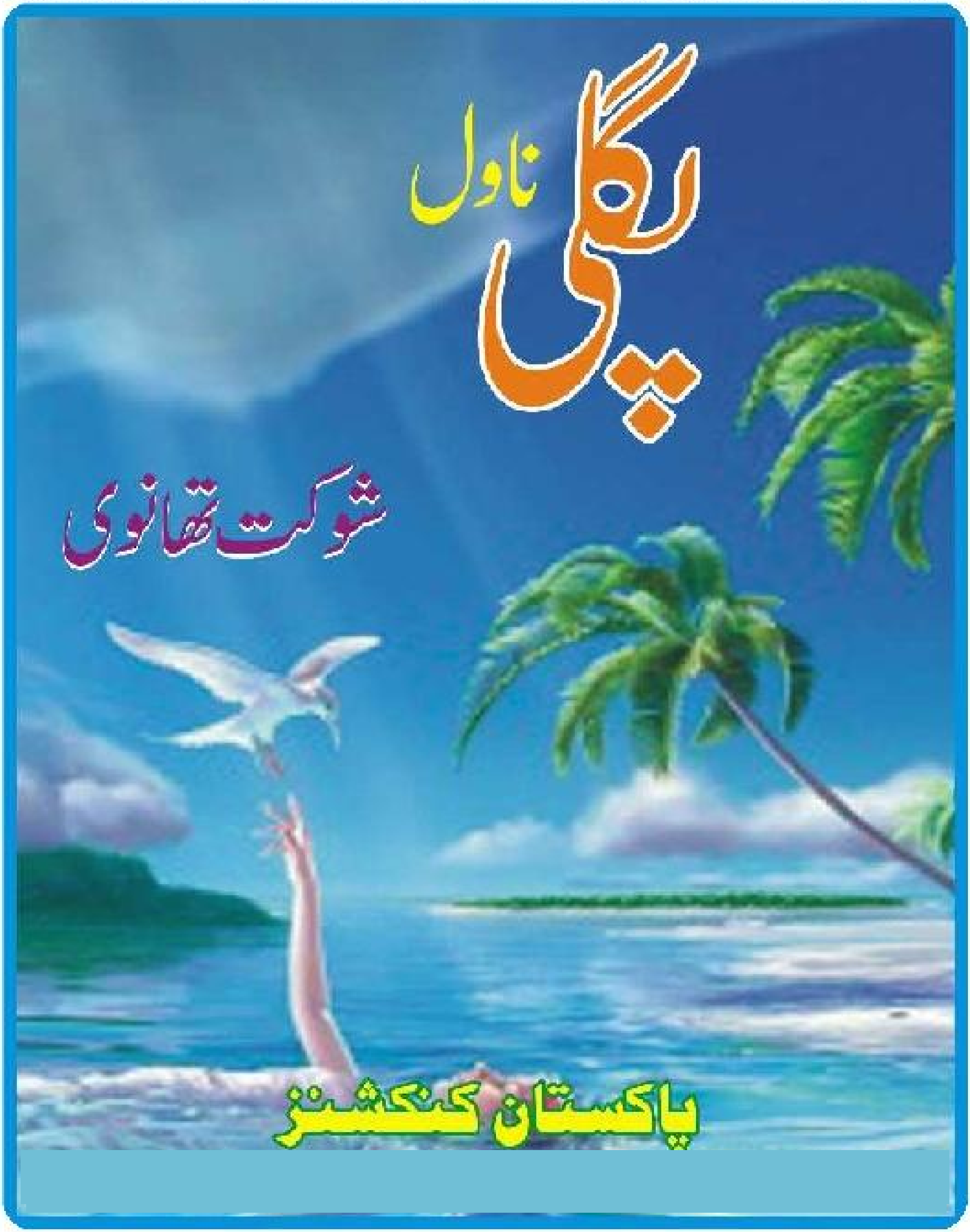

پگلی

ناول

شوکت تھانوی

پاکستان کنکشنز

پگلی

فرسٹ کلاس کے کوپے میں اب تک ڈاکٹر خالد تنہا ہی سفر کر رہا تھا اور شروع سے آخر تک پڑھا ہوا اخبار ایک مرتبہ پھر شروع سے آخر تک پڑھنے میں مصروف تھا کہ ٹرین ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر ٹھہر گئی مگر ڈاکٹر خالد نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ کون سا اسٹیشن ہے اور دیکھتا بھی کیوں اس کو سوائے لاہور کے اسٹیشن کے اور کسی اسٹیشن کا انتظار ہی کب تھا۔ ٹرین چند منٹ ٹھہرنے کے بعد چلنے کے لیے رینگی ہی تھی کہ ایک خاتون اپنی چھوٹی سی اٹیچی لیے دروازہ کھول کر وارد ہو گئیں۔ معلوم نہیں خالد نے ان کو دیکھا بھی یا نہیں بہر حال وہ خاتون خالد کو دیکھنے کے باوجود اس لیے نہ دیکھ سکیں کہ اس کے چہرے کے سامنے اخبار پھیلا ہوا تھا جس کو خاتون کے آجانے کے باوجود اس نے نہ ہٹایا۔ ٹرین اب اپنا رفتار پکڑ چکی تھی مگر یہ دونوں خاموش مسافر ایک دوسرے سے قطعاً بے نیاز اس طرح بیٹھے تھے گویا یہ طے کر کے بیٹھے ہوں کہ ایک دوسرے سے ہرگز نیاز حاصل نہ کریں گے۔ آخر اس کیفیت سے گھبرا کر نو وارد خاتون نے اس پار جو صاحب بھی تھے ان کو دیکھنے کے لیے اپنے کئی زاویے بدلے مگر ہر طرف اخبار ہی اخبار نظر آیا آخر وہ صبر کر کے بیٹھ رہی مگر آخر کب تک‘ نتیجہ یہ کہ اس نے خود ہی بڑبڑانا شروع کیا۔

’’بدتمیز کہیں کا‘ گنوار‘ احمق‘‘

خالد نے گھبرا کر اخبار ایک طرف کر کے پوچھا۔

’’کچھ مجھ سے فرمایا؟‘‘

خاتون نے بڑے خشمگیں انداز سے کہا۔

’’جی نہیں‘ میں اس کو کہہ رہی ہوں ریل کے بابو کو کہنے لگا کہ زنانے درجہ میں بیٹھ جایئے۔ کوئی پوچھے تم کون میں زنانے میں بیٹھوں یا مردانے میں تمہاری اجارہ داری ہے اور جانے اس ملک میں یہ زنانہ اور مردانہ لغویت کب تک ہوتی رہے گی؟‘‘ خالد نے کہا۔

’’ہے تو واقعی سخت لغویت۔‘‘

خاتون نے خوش ہو کر کہا۔

’’ہے نا آپ کے خیال میں بھی لغویت‘ میں تو سمجھتی تھی کہ اب اس گنوار بابو کے بعد آپ سے بھی مجھے سر کھپانا پڑے گا اور آپ بھی کہیں گے کہ عورتوں کو زنانہ درجہ ہی میں بیٹھنا چاہیے۔‘‘

خالد نے کہا۔ ”جی نہیں میں نے اپ کو خوش کرنے کے لیے نہیں کہا ہے بلکہ میں اس کو عورت کی سخت توہین سمجھتا ہوں کہ اس کے لیے ایک علیحدہ درجہ مقرر کر دیا حرام سرا کی قسم کا۔“

خاتون نے آنکھوں میں چمک پیدا کر کے تالی بجادی مارے خوشی کی۔

”توہین واقعی توہین۔ میں یہی لفظ ڈھونڈ رہی تھی آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ اس سے بڑھ کر عورت کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے۔“

خالد نے کہا۔ ”یہی باتیں ہیں جن کی وجہ سے عورتوں میں خودنگری‘ خودشناسی اور خوداعتمادی پیدا نہیں ہوئی۔“

خاتون نے بڑے اشتیاق سے اپنا اٹیچی کھولتے ہوئے کہا۔

”کیا‘ کیا‘ ذرا ٹھہریئے میں آپ کا یہ فقرہ لکھ لوں کون کون سی خود نہیں پیدا ہوتی۔ خودنگری۔۔۔۔۔“

خالد نے کہا۔ ”خودنگری‘ خودشناسی اور خوداعتمادی پیدا نہیں ہوتی ہے۔“

خاتون نے یہ فقرہ لکھتے ہوئے مسرت سے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

”کس قدر تسکین حاصل ہوئی ہے میری روح کو آپ سے یہ چند ہی باتیں سن کر مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے یہ آپ نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ میری روح مجھ سے آج پہلی مرتبہ مخاطب ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب آپ کے خیال میں یہ حالات کبھی بدلیں گے۔“

خالد نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”مگر آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا میں ڈاکٹر ہوں؟“

خاتون نے اس کی جیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ظاہر ہے کہ یہ آلہ کسی بیرسٹر کی جیب میں تو ہو نہیں سکتا بلکہ میں تو یہ بھی بتا سکتی ہوں کہ آپ انگلینڈ سے آ رہے ہیں۔“

خالد نے اپنے سامان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”جی ہاں یہ چغلی تو میرے لگیج کے لیبل کھا رہے ہیں۔“

خاتون نے کہا۔ ”جس وقت آپ اخبار پڑھنے میں مصروف تھے میں آپ کے سامان کے یہ لیبل پڑھ رہی تھی۔ ہاں تو بتایا نہیں آپ نے کہ کیا اس ملک میں کبھی عورت کو اس کا صحیح مرتبہ مل سکے گا۔“

خالد نے کہا۔ ”محترمہ اس دور میں کوئی چیز ملتی نہیں بلکہ حاصل کی جاتی ہے اور اگر میں یہ کہوں تو زیادہ صحیح ہوگا کہ ہر چیز حاصل بھی نہیں کی جاتی بلکہ چھینی جاتی ہے۔“

خاتون نے خوشی سے گویا اچھلتے ہوئے کہا۔

”کمال ہے سچ مچ‘ کس قدر آپ میرے ہم خیال ہیں میرا بھی بالکل یہی عقیدہ ہے کہ یہ مرد عورت کو اس کے حقوق کبھی نہ دے گا‘ جب تک کہ عورت خود اس سے چھین نہ لے۔ مجھے اپنا ایسا ہم خیال آج تک کوئی نہیں ملا جو حرف بحرف اس طرح میری تائید میں ہو۔“

خالد نے کہا۔ ”مگر اب وہ دن دور نہیں ہے۔ ضرورت تھی صرف احساس کی اور وہ پیدا ہو چکا ہے۔ عورتوں نے اس زاویہ سے خود اپنے اوپر نظر ڈالنا شروع کر دی ہے اس کا انداز فکر اب اس حد تک بدل گیا ہے کہ آپ کو ریلوے کے بابو نے صرف اتنا کہہ کر مشتعل کر دیا کہ آپ زنانہ درجہ میں بیٹھیں۔ آپ کا اس کو اپنی نسائیت کی ہتک سمجھنا ہی اس کا ثبوت ہے کہ عورت میں اس کی خودی بیدار ہو چکی ہے۔“

خاتون نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا۔

”آپ کہئے جایئے ڈاکٹر صاحب' آپ میری زبان سے بول رہے ہیں۔ شکر ہے خدا کا کہ آج مجھ کو ایک ایسا شخص آخر مل ہی گیا جو اس حد تک میرا ہم خیال ہو۔“

خالد نے ہنس کر کہا۔ ”نہیں' خیر یہ باتیں تو ہر مہذب اور معقول آدمی کو کرنا چاہئیں۔“

خاتون نے کہا۔ ”مگر معقولیت اور تہذیب ابھی اتنی عام نہیں ہوئی ہے کہ صورت سے نظر آنے والے ہر مہذب اور معقول آدمی میں واقعی موجود ہو۔ مجھے تو اس معاملے میں ایک سے ایک پڑھے لکھے جاہل اور ایک سے ایک مہذب نظر آنے والے جانور سے واسطہ پڑا ہے جن سے بات کر کے سر پھوڑ لینے کو جی چاہتا ہے۔ یقین جانیئے کہ اگر آپ بھی ایسی ہی باتیں کرتے تو میں خطرے کی زنجیر کھینچ لیتی۔“

خالد نے کہا۔ ”واقعی بڑی کوفت ہوتی ہے کسی ناجنس کے ساتھ وقت گزارنے میں۔“

خاتون نے پھر پھڑک کر کہا۔

”ہائے کیسے کیسے خوبصورت اور چپک جانے والے لفظ آپ استعمال کرتے ہیں ”ناجنس“ ایک ایسا لفظ آپ نے کہہ دیا ہے کہ جس قسم کے لوگوں کی زخم خوردہ میں ہوں ان کی ساری بوریت اور بیہودگی اس ایک لفظ میں سما کر رہ گئی ہے۔“

خالد نے گفتگو کا رخ بدل کر کہا۔

”آپ تشریف کہاں لے جا رہی ہیں؟“

خاتون نے کہا۔ ”اب کہاں تشریف لے جا رہی ہوں' لے جا چکی تشریف جہاں لے جانی تھی۔ سر میں ایک سودا تھا اور پاؤں میں سنیچر بندھا ہوا تھا کہ خدایا اس دنیا میں مجھ کو کوئی ایک ہی ہم خیال مل جائے اپنا۔ شکر ہے کہ وہ آپ مل گئے۔“

خالد نے بڑے مہذب انداز سے کہا۔

”شکریہ آپ کا' پھر بھی جا کہاں رہی ہیں آپ؟“

خاتون نے کہا۔ ”کہہ تو دیا کہ اب کہاں جاؤں گی اب تو مجھے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ آپ کہاں لے جا رہے ہیں مجھے؟“

خالد نے ایک دم سٹپٹا کر کہا۔ ”جی؟۔۔۔۔۔۔۔ یعنی میں سمجھا نہیں آپ کی بات۔“

خاتون نے کہا۔ ''سمجھ تو خیر گئے ہیں آپ البتہ یہ بات آپ کے لیے کچھ نئی ضرور ہے جس نے آپ کو گھبرا دیا ہے کہ ایک لڑکی خود آپ سے اس قسم کی بات نہایت بے باکی سے کہہ دے۔ مگر مجھے اس بے باکی کا حق میری اور آپ کی ہم خیالی نے ابھی دیا ہے جس کا خود آپ کو بھی اقرار ہوگا۔ مجھے سالہا سال کی جستجو کے بعد بھی اپنا ایسا ہم خیال کبھی کوئی نہ مل سکا اور میرا خیال ہے بلکہ میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ کو بھی میرے علاوہ اپنا ہم خیال کوئی شاید ہی مل سکے۔''

خالد نے کہا۔ ''یہ تو درست ہے مگر فرض کر لیجیے کہ میرے حقوق کسی اور کے نام محفوظ ہوں۔''

خاتون نے کہا۔ ''اگر محفوظ ہیں تو غلط ہیں۔ دوسرے بقول آپ کے حق یا ان کی جمع حقوق ملتے نہیں حاصل نہیں کیے جاتے بلکہ چھینے جاتے ہیں لہٰذا میں نہایت جرات کے ساتھ چھین لوں گی۔''

اب تو خالد نے واقعی گھبراتے ہوئے کہا۔

''مگر میں اس پوزیشن میں ہرگز نہیں ہوں کہ آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ آپ کو نہیں معلوم کہ میں کئی سال بعد ولایت سے آ رہا ہوں۔ میری ماں نہ جانے کتنے ارمان لیے اس وقت لاہور کے اسٹیشن پر ٹہل رہی ہوگی۔ اس کی مضطرب نگاہیں گھڑی پر ہوں گی یا حدِ نظر تک اس ریل کی پٹڑی پر جس پر یہ ٹرین وہاں پہنچنے والی ہوگی۔ میرے استقبال کے لیے میری منگیتر زبیدہ بھی آئی ہوگی اپنے دل میں میرے لیے نہ جانے کیا کیا قیامتیں چھپائے ہوئے۔ میرے تمام عزیز اور احباب ہوں گے میرے گلے میں ہار ڈالنے کے لیے۔''

خاتون نے نہایت بے پروائی سے کہا۔

''ہاں ہاں، تو ٹھیک ہے میں کب کہتی ہوں کہ آپ کا استقبال اس سے کم گرمجوشی سے کیا جائے۔ رہ گئی آپ کی منگیتر زبیدہ، اگر وہ مجھ سے زیادہ آپ کی ہم خیال نکلی تو میں آپ دونوں کے درمیان ہرگز حائل نہ ہوں گی اور اگر یہ بات نہیں ہے تو آپ خود غور کیجیے کہ شادی تو ایک ہی ہوگی، مگر زندگیاں دو تباہ ہوں گی۔''

خالد نے رائیونڈ کا اسٹیشن دیکھتے ہوئے کہا۔

''بس اب لاہور ٹھہرے گی ٹرین اور اب بہت کم وقت ہے آپ کے لیے آپ اپنا پروگرام طے کریں، ٹکٹ آپ کا کہاں کا ہے؟''

خاتون نے کہا۔ ''ٹکٹ لاہور ہی کا ہے اتفاق سے۔''

خالد نے بڑے اضطراب سے پوچھا۔ ''اور قیام کہاں ہوگا، لاہور میں؟''

خاتون نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ کے دولت خانہ پر۔ آپ آخر اس قدر پریشان کیوں ہیں، میں اپنے آپ کو آپ کے سر منڈھ نہیں رہی ہوں بلکہ آپ کی ایک دوست کی حیثیت سے آپ کی گھریلو فضاؤں کا مطالعہ کرنے آپ کے گھر مہمان کی حیثیت سے جا رہی ہوں۔''

خالد نے اسی کو غنیمت جان کر کہا۔ ”بے شک تشریف لے چلئے۔ خانہ بے تکلف ہے مگر چونکہ مجھے اس مہمان کا اپنے عزیزوں سے تعارف بھی کرانا ہوگا، لہٰذا آپ کا نام معلوم ہو جانا بے حد ضروری ہے۔“

خاتون نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”واقعی یہ کمال ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے اتنے قریب آ گئے ہیں کہ ایک دوسرے کو ایک دوسرے کا نام تک پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ آپ کا نام تو یہ رہا، آپ کے سوٹ کیس پر ڈاکٹر ایس ایم خالد اور میرا نام گل رخ۔ یاد رہے گا آپ کو یہ نام۔“

خالد نے کہا۔ ”جی ہاں قطعی، مگر ایک گزارش کر دوں کہ میرے گھر کے افراد اور میرے عزیز ابھی اتنے روشن خیال اور وسیع النظر نہیں ہوئے ہیں کہ وہ اس قسم کی باتیں اور ان باتوں کی صحیح اسپرٹ سمجھ سکیں۔ جیسی ہم دونوں کے درمیان ہوتی رہی ہیں اس کے علاوہ میں درخواست کروں گا کہ آپ اپنے کسی طرز عمل سے کسی کو بدگمانی کا موقع نہ دیں تو اچھا ہے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”آپ اب مجھے بہت ہی بچگانہ باتیں سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں بھی آخر اس سر میں تھوڑا سا بھیجا رکھتی ہوں۔“

ٹرین لاہور چھاؤنی سے گزر کر لاہور اسٹیسن کے یارڈ میں داخل ہو رہی تھی اور خالد اپنا سامان اکٹھا کر رہا تھا۔

لاہور اسٹیشن پر ٹرین کے ٹھہرتے ہی اس کوپے کے دروازہ پر خالد کے تمام عزیز اور دوست دوڑ دوڑ کر جمع ہو گئے تھے، دروازہ کھول کر خالد پہلے ہی سے اس لیے کھڑا ہو گیا تھا کہ اس کا استقبال کرنے والے ٹرین کے ہر ڈبہ میں اس کو جھانکتے نہ پھریں اور جب اس مجمع کو چیرتی ہوئی آنکھوں میں مسرت کے آنسو لیے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ خالد کی والدہ آگے بڑھیں تو خالد کود کر پلیٹ فارم پر آ گیا اور دوڑ کر ماں سے لپٹ گیا جو خود اس کو کلیجے سے لگانے کے لیے بے قرار تھیں۔ وہ بیٹے سے مل کر ایسی از خود رفتہ ہوئیں کہ بیٹے کے گلے میں ڈالنے کے لیے جو ہار لائی تھیں وہ ہاتھ کا ہاتھ ہی میں رہ گیا۔ آخر جب ایک صاحب نے قریب آ کر کہا۔ ”خالہ جان آخر ہم لوگوں کا بھی کچھ حق ہے یا نہیں۔“ تو وہ بیٹے سے علیحدہ ہوئیں اور اب ان کو وہ ہار بھی یاد آیا جو انہوں نے خالد کے گلے میں ڈال کر اس کی بلائیں لیں اب تو ہر طرف سے ہار پڑنے لگے اور تھوڑی ہی دیر میں خالد کا چہرہ ان ہاروں کے درمیان ایسا نظر آنے لگا جیسے گلدستے میں کوئی بڑا سا پھول بیچوں بیچ ہو۔ وہ ایک ایک سے مل رہا تھا اور جس سے ملتا تھا وہی ایک ہار اس کے گلے میں ڈال دیتا تھا۔ ابھی اس کو سب گھیرے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی طرح اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

”اگر آپ ان سب سے مل چکے ہوں تو اپنے سامان سے بھی مل لیجئے جو اس ٹرین کے ساتھ ہی روانہ ہونے والا ہے۔“

خالد نے چونک کر ایک صاحب سے کہا۔

”نعیم بھائی واقعی سامان تو اتروایئے۔ چھوٹے بڑے سب ملا کر سب سات عدد ہیں۔“

گل رخ نے کہا۔ ’’جی نہیں آ ٹھ میرا اٹیچی نہ بھولیے۔‘‘

خالد نے اس سے کہا۔ ’’مہربانی فرما کر آپ خود نعیم بھائی کو اپنا سامان دکھا کر اتروا دیجئے۔‘‘

گل رخ تو اس طرف روانہ ہوئی ادھر خالد کی والدہ نے بڑی تشویش سے کہا۔

’’بیٹا‘ یہ لڑکی کون ہے؟ مجھے تو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اتنے دن ولایت میں رہنے کے بعد اللہ نہ کرے کوئی ولایتی بلا نہ چمٹا لاؤ اپنے ساتھ مگر یہ تو کوئی دیسی بلا معلوم ہوتی ہے۔ پر یہ ہے کون؟‘‘

خالد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ’’یہ جو کچھ بھی ہو مگر اطمینان رکھئے‘ بلا نہیں ہے۔ میری شریک سفر ہیں اور چند دن ہمارے گھر مہمان رہ کر چلی جائیں گی۔ وہ آتی ہیں تو ابھی آپ کو ملواتا ہوں ان سے بڑی دلچسپ خاتون ہیں۔‘‘

ہر چند کہ خالد نے ماں سے جو بات کہی تھی وہ تقریباً سب ہی نے سن لی تھی مگر سب کی عجیب نظریں گل رخ پر پڑ رہی تھیں اور سب سے زیادہ عجیب نظریں زبیدہ کی پڑ رہی تھیں جواب تک خالد کے قریب بھی نہ آئی تھی بلکہ اس مجمع سے پیچھے ایک کھمبے کی ٹیک لگائے اس ہار کا ایک ایک پھول توڑ توڑ کر غیر ارادی طور پر گراتی جاتی تھی جو وہ خالد کے گلے میں ڈالنے کو یا تو خود لائی تھی یا کسی نے اس کو بھی دے دیا تھا کہ ایک ہار تم بھی خالد کے گلے میں ڈال دینا۔

گل رخ نے نعیم صاحب کو تمام سامان کا چارج دے کر ایک ہینڈ بیگ لا کر خالد کے ہاتھ میں دے دیا کہ۔۔۔۔۔۔۔ ’’اس کو اپنے ہاتھ میں رکھئے‘ اس گڑبڑ میں ادھر ادھر نہ ہو جائے۔‘‘

خالد نے کہا۔ ’’شکریہ‘ اچھا ادھر آیئے میں آپ کو اپنی والدہ سے ملاؤں۔‘‘

گل رخ نے تیزی سے خالد کی والدہ کے قریب آتے ہوئے کہا۔ ’’جی نہیں‘ مجھے خود آتا ہے ملنا۔ اماں جان‘ تسلیم! میرا نام گل رخ ہے اور میری حیثیت اس وقت یہ ہے کہ مان نہ مان میں تیرا مہمان‘‘

خالد کی والدہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ’’نہیں نہیں‘ بڑے شوق سے تم مہمان بنو بیٹی‘ اس میں مان نہ مان کا کیا سوال ہے۔‘‘

خالد نے جیسے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔ ’’اور وہ کہاں ہے زبیدہ آئیں نہیں کیا؟‘‘

خالد کی والدہ نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ ’’ہاں ہاں آتی کیوں نہ وہ‘ مگر کیسے سب کو پھاندتی پھلانگتی آتی یہاں۔ اے‘ میں نے کہا‘ زبیدہ بیٹی! آؤ نا ادھر۔‘‘

زبیدہ کے ہاتھ میں اب ہار کے بجائے صرف اکہرے سوت کا ایک حصہ تھا۔ پھول وہ سب نوچ چکی تھی چنانچہ جب اس کو طلب کیا گیا تو وہ اس دھاگے کو بھی پھینکتی ہوئی کچھ لجائی‘ کچھ شرمائی سی آگے بڑھی اور خالد کی والدہ کے پاس ان ہی کی آڑ لے کر کھڑی ہو گئی تو خالد نے

کہا۔

''یہ تو واقعی اتنے ہی دنوں میں ایک قسم کی خاتون محترم بن چکی ہیں جن کو نہایت ادب سے سلام کرنے کو جی چاہتا ہے۔''

خالد کی والدہ نے ہنس کر کہا۔ ''اسی لیے وہ غریب دور کھڑی ہوئی تھی۔''

گل رخ نے زبیدہ کی طرح بڑھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کا غائبانہ تعارف تو ڈاکٹر صاحب کرا چکے ہیں اپنا تعارف میں خود کراتی ہوں۔ میرا نام ہے گل رخ اور میں آپ کے گھر مہمان بن کر ٹھہرنے کو آئی ہوں۔ آیئے ہاتھ ملایئے مجھ سے۔'' اور یہ کہہ کر اس کا ہاتھ خود ہی پکڑ کر اس طرح ملایا کہ وہ کچھ اور بھی جھینپ گئی اور خالد کی والدہ کی بغل میں اپنا منہ چھپا لیا تو گل رخ نے خالد سے کہا۔ ''نہیں صاحب دنیا میں ہر بے ضرورت چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ زنانہ درجہ بھی بے کار نہیں ہوتا۔ خدا سلامت رکھے ہماری ان بہو بیٹیوں کو ان کے لیے یہ انتظام بے حد ضروری ہے۔''

اور تو کوئی یہ بات سمجھ نہ سمجھ سکا سب منہ اٹھا کر رہ گئے مگر خالد نے جلدی سے بات کو گول کرنے کے لیے کہا۔ ''بھئی اب آپ لوگ مجھے گھر بھی لے چلیں گے یا نہیں۔''

چنانچہ سب کو بھولا بسرا گھر یاد آ گیا اور یہ بھی یاد آ گیا کہ اسٹیشن پر تو چند ہی لوگ آئے ہیں باقی خلقت تو گھر ہی پر منتظر ہے۔ خالد کی والدہ نے کہا۔ ''سچ تو ہے گھر پر سب الگ انتظار کر رہے ہوں گے اور وہ غریب بھی اتنا لمبا سفر کر کے تھکا ہارا آیا ہے۔''

یہ سب خالد کو اپنے گھیرے میں لیے اسٹیشن سے باہر آئے اور پھولوں سی سجی ہوئی ایک کار میں خالد کو بٹھا کر اور اس کے اس ساتھ اس کی والدہ زبیدہ اور گل رخ کو بٹھا کر نعیم صاحب بھی ڈرائیور کے برابر بیٹھ گئے۔ باقی لوگ مختلف کاروں میں جا بیٹھے اور یہ قافلہ فراٹے بھرتا بہت جلد خالد کے گھر تک پہنچ گیا جس کو نہایت سلیقہ سے سجایا گیا تھا۔ حد یہ ہے کہ سبز پتیوں سے ایک پھاٹک بھی بنایا گیا تھا جس پر ''خوش آمدید'' کے حروف جگمگا رہے تھے۔ خالد نے یہ منظر دیکھ کر نعیم کو مخاطب کیا۔

''نعیم بھائی اپنے ہی گھر میں اپنے ہی لیے یہ تکلف دیکھ کر مجھے تو وہ شعر یاد آ گیا۔''

دشت غربت سے وطن میں آئے بھی تو کیا ہوا
اجنبی کی طرح پہروں اپنے گھر دیکھا کیے

خالد کی والدہ نے کہا۔ ''ان لوگوں کی یہی ضد تھی۔ ایک ہفتہ سے یہ سب کچھ کرتے پھر رہے تھے کہ سڑک پر سرخی کوٹی جا رہی ہے گھر میں قلعی ہو رہی ہے پتیوں کا پھاٹک بن رہا ہے جھنڈیاں بنائی جا رہی ہیں۔ مہمانوں کو بٹھانے کے لیے شامیانے لگ رہے ہیں اور کرسیاں اور صوفے جانے کہاں کہاں سے لائے جا رہے ہیں۔ کل رات بھر میں تو شامیانہ لگا ہے۔''

خالد نے کہا۔ ''بھلا یہ سب کیوں ہوا ہے؟ اب اس شامیانے میں کیا ہوگا؟''

نعیم نے کہا۔ ''جو کچھ ہوگا دیکھ لینا اور یہ بھی دیکھ لیان کہ جتنے لوگ تم سے ملنے آئے ہیں ان کو سوائے شامیانے کے نیچے بٹھانے کے اور کہاں بٹھایا جا سکتا تھا۔''

خالد کی والدہ نے کہا۔ ''ہاں اللہ رکھے سارا ہی خاندان تو امنڈ آیا ہے۔''

اس عرصہ میں گاڑی اس شامیانہ کے پاس پہنچ چکی تھی جس میں واقعی ایک میلہ سا لگا ہوا تھا۔ کار کے پہنچتے ہی سب نے ادھر ادھر سے دوڑ کر کار کو گھیر لیا اور خالد کو کار سے اترنا دوبھر ہو گیا۔ کوئی بھائی جان کہہ کر چمٹا جا رہا ہے کوئی ماموں جان کہہ کر کوٹ کا دامن کھینچے لیتا ہے اور تو اور ایک صاحبہ تو یہ انتظار بھی نہ کر سکیں کہ وہ آخر گھر کے اندر بھی جائے گا پردہ دار خواتین سے ملنے۔۔۔۔۔۔ وہ برقعہ پہن کر آ موجود ہوئیں اور اب جو بڑھی ہیں خالد کی طرف تو وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

خالد کی والدہ نے کہا۔ ''اے شمیم آپا ہیں تمہاری۔''

شمیم آپا نے برقعہ کے اندر ہی سے کہا۔ ''ولایتی وحشت کو کیا کرے بے چارہ۔ چل ادھر' سوکھا ڈالا ہمیں انتظار میں۔'' اور یہ کہہ کر سچ مچ بہت ہی محبت سے اس کو گلے لگا کر نہ جانے مٹھی میں کیا لے کر اس پر نچھاور کر دیا۔

خالد نے کہا۔ ''شمیم آپا یہ تو بڑی خود غرضی ہے آپ کی کہ آپ نے مجھ کو دیکھ لیا ہے مگر میں آپ کو نہیں دیکھ رہا ہوں' اندر چلئے میں بھی تو آپ کو دیکھوں۔''

اور یہ کہہ کر اس نے بھی طے کیا کہ پہلے اندر ہو آئے تا کہ پردہ دار خواتین ایک ایک کر کے برقعہ پہنے باہر نہ آ جائیں مگر اندر جا کر تو جیسے وہ بھڑوں کے چھتے میں پھنس گیا۔ طرح طرح کی خالہ زاد' ماموں زاد' چچا زاد اور پھوپھی زاد بہنوں نے اس کو گھیر لیا۔ وہ شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

کوئی محترمہ کہہ رہی تھیں۔ ''اے ہے مونچھیں منڈا کر کیا طباق سا منہ لے آ گیا۔''

کوئی بولیں۔ ''ولایت تک ہو آیا مگر جسم پر بوٹی نہیں چڑھی۔''

کسی نے کہا۔ ''رنگ البتہ نکھر گیا ہے۔''

اور اسی مجمع کو چیرتی پھاڑتی ایک خمیدہ کمر بڑی بی نے آ کر چٹا چٹ بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

''اے' میں نے کہا' میرے کانوں کا آلہ بھی لایا۔ اب تو بالکل دیوار ہو گئی ہوں۔''

خالد نے کہا۔ ''نانی جان لایا ہوں آپ کے کانوں کا آلہ''

نانی جان نے کچھ اور ہی سن کر کہا۔ ’’چل دور، چلا ہے مرے ہوئے نانا کا نام لے کر مجھ سے مذاق کرنے۔‘‘

اور وہاں پر ایک قہقہہ پڑا تو خالد نے اور قریب آ کر بلند آواز سے کہا۔ ’’نانی جان، میں مذاق نہیں کر رہا ہوں آلے کو کہہ رہا ہوں کہ لایا ہوں آپ کے کانوں کا آلہ۔‘‘

نانی جان نے کہا۔ ’’اے تو کیا ہوا نہیں لایا نہ سہی تو خود ہی خیر سے آ گیا یہی بہت ہے۔‘‘

خالد نے اپنی والدہ سے کہا۔ ’’یہ تو اب واقعی بالکل دیوار ہو گئی ہیں۔‘‘

اور اس کو نانی جان سے کسی نے زیادہ باتیں نہ کرنے دیں کچھ شریر لڑکیاں اس کو اپنی طرف گھسیٹ لے گئیں۔ وہاں سے بمشکل اس کی ماں نے اس کو نجات دلائی ورنہ وہ سخت مصیبت میں مبتلا ہو گیا تھا اس لیے کہ ان لڑکیوں نے گل رخ کے متعلق سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی تھی۔ اسی طرح تھوڑی دیر وہ خاندان بھر کی چھوٹی بڑی منجھلی سنجھلی ہر قسم کی خواتین سے ملتا رہا اور بمشکل اس کو باہر جانے کی اجازت ملی جہاں نعیم صاحب نے مہمانوں کی کولڈ ڈرنک اور آئس کریم وغیرہ سے تواضع کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ خالد کے پہنچنے کے بعد وقتی طور پر یہ سلسلہ درہم برہم ہوا مگر جب خود خالد کے ہاتھ میں بھی آئس کریم کا کپ آ گیا تو سب اس کو گھیر کر بیٹھ گئے اور پرانی یادیں تازہ کرنے لگے۔ خالد کے احباب نے عزیزوں کا حق اب تک تو ان کو دیا تھا اور خود ذرا دور دور رہے تھے مگر اب دوستوں کا اس پر یلغار ہوا اور اس کے جملہ حقوق دوستوں نے حاصل کر کے ہنسی مذاق کے ساتھ ہی ساتھ یورپ کے تذکرے چھیڑ دیئے۔ مگر دوستوں سے چند منٹ کی اجازت لے کر وہ نعیم صاحب کے پاس آ گیا تا کہ ان سے دریافت کر سکے کہ اس گڑبڑ میں گل رخ کو تو کسی نے فراموش نہیں کر دیا اور اس کے لیے کوئی کمرہ بھی ٹھیک کر دیا ہے تا کہ وہ اطمینان سے اٹھ بیٹھ سکے؟

منٹگمری کے پولیس اسٹیشن پر ایک معمر مگر باوقار بزرگ ایک نوجوان کے ساتھ کھڑے رپورٹ لکھوا رہے تھے۔

’’صاحب یہ تیسرا موقع ہے کہ وہ ایک دم سے لاپتہ ہو گئی ہے اور مصیبت یہ ہے کہ بظاہر اس کی کوئی نہ پاگل کہہ سکتا ہے نہ اس کے دماغ میں خلل کا عمل ہو سکتا ہے وہ نہایت سلجھی ہوئی باتیں کرتی ہے۔ نہایت سلیقہ سے رہتی ہے۔ کسی سے کسی بحث میں الجھ جائے تو بجائے پاگل سمجھنے کے وہ اس کو نہایت ذہین اور طباع سمجھنے پر مجبور ہو۔ کسی وقت بھی کوئی پاگل پن کی بات نہیں کرتی۔‘‘

سب انسپکٹر نے غور سے سب کچھ سننے کے بعد کہا۔ ’’اس کے باوجود آپ اس بیچاری کو پاگل کہنے پر کیوں مصر ہیں؟‘‘

ان بزرگ نے کہا۔ ’’جناب والا میں مصر نہیں ہوں بلکہ وہ ہے ہی مخبوط الحواس۔ یہ تو میں ہی سمجھ سکتا ہوں کہ اس کے پاگل پن کی نوعیت کیا ہے۔ اب میں آپ کو پوری تفصیل ہی بتائے دیتا ہوں۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ گل رخ کو ان برخوردار یعنی یہ جو آپ کے سامنے موجود ہیں ارجمند صاحب۔۔۔۔۔۔ ان سے والہانہ دلچسپی تھی اور غالباً ان کو بھی اس سے اس حد تک دلچسپی تھی کہ ان دونوں نے عہد کر رکھا تھا کہ اگر

یہ دونوں شادی کریں گے تو ایک دوسرے ہی سے کریں گے ورنہ اس جھگڑے ہی میں نہ پڑیں گے۔ حضرت میں ٹھہرا ایک خاندانی وضع کا پابند پرانے زمانے کا آدمی مجھ کو جب یہ خبر ہوئی تو میرے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ میرے خاندان میں اس قسم کی غیر شریفانہ حرکت کیسے ممکن ہوگی؟“

سب انسپکٹر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”قبلہ معاف کیجئے گا اس میں غیر شریفانہ حرکت کیا تھی؟“

بزرگ محترم نے کہا۔ ”آپ نہیں سمجھے۔ یوں تو خدا نا خواستہ کوئی غیر شریفانہ حرکت نہ تھی مگر میرے خاندان کے لیے چونکہ یہ خود سری ایک نئی سی چیز تھی لہٰذا میں اس کی تاب نہ لا سکا اور میں نے صاحبزادی کی والدہ سے کہہ دیا کہ میں بیٹی کو گولی مار سکتا ہوں، زندہ دفن کر سکتا ہوں، گلا گھونٹ کر خود پھانسی کے تختے پر لٹک سکتا ہوں، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ارجمند جیسے اوباش سے شادی کرنا چاہتی ہے لہٰذا میں بھی سر تسلیم خم کر دوں۔“

سب انسپکٹر نے ارجمند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”صورت سے تو اوباش نظر آتے نہیں۔“

بزرگ محترم نے جلدی سے کہا۔ ”نہ نہ نہ یہ مطلب نہیں میرا کہ یہ خدا نا خواستہ اوباش ہیں یا اوباش تھے۔ میرے نزدیک تو ان کا میری بیٹی سے مل کر شادی طے کرنا ہی ان کے اوباش ہونے کی دلیل تھا۔ ویسے یہ بفضلہٖ نہایت ہونہار، سعادت مند اور خوش اطوار نوجوان ہیں۔“

سب انسپکٹر نے کہا۔ ”اچھا تو یہ گویا آپ کو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ اس قسم کے سعید اور صالح نوجوان ہیں۔“

بزرگ محترم نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”جی نہیں معلوم تو پہلے سے تھا مگر چونکہ میری بیٹی کو ان حضرت نے براہ راست شادی کا پیام دے دیا تھا۔“

ارجمند نے بات کاٹ کر کہا۔ ”آپ ٹھہریئے چچا میاں میں سب کچھ سمجھائے دیتا ہوں۔“

بزرگ محترم نے ایک طرف ہٹتے ہوئے اپنی چھالیہ کا بٹوہ کھولتے ہوئے کہا۔

”چلو یہی سہی تم ہی سمجھا دو، مطلب تو ہے سمجھانے سے، خواہ کوئی سمجھائے۔“

ارجمند نے سب انسپکٹر سے کہا۔ ”صاحب قصہ دراصل یہ ہے کہ میرے والد مرحوم اور قبلہ حکیم صاحب میں نہایت دوستانہ مراسم تھے اور علاوہ پڑوسی کے یہ دونوں شطرنج کے معاملے میں ہم مشرب بھی تھے لہٰذا ہر وقت کی یکجائی نے ان مراسم کو دوستانہ مراسم سے زیادہ عزیزانہ مراسم کا درجہ دے دیا تھا۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب میری عمر بارہ تیرہ سال کی تھی اور گل رخ سات آٹھ سال کی ہوگی۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ کھیل کر جوان ہوئے اور یہ جوانی ہم دونوں کے لیے دائمی یکجائی کا ارمان لے کر آئی چنانچہ ایک دوسرے سے وابستگی اس حد تک بڑھی تھی کہ......“

بزرگ محترم نے چنوٹی سے چونا چاٹتے ہوئے کہا۔

”وابستگی؟ کیا مطلب تمہارا وابستگی سے' بخدا گولی ماردیتا میں دونوں کو اگر وابستگی کا شبہ بھی ہو جاتا۔ وابستگی نہ لکھیے گا صاحب۔ دلچسپی زیادہ سے زیادہ لکھ سکتے ہیں آپ۔“

سب انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”آپ اطمینان رکھئے میں ابھی نہیں لکھ رہا ہوں نہ وابستگی نہ دلچسپی۔ میں تو پورا قصہ سن رہا ہوں۔ ہاں صاحب تو یہ بقول قبلہ حکیم صاحب کے دلچسپی اس حد تک بڑھی کہ۔۔۔۔۔۔“

ارجمند نے سلسلہ ملایا۔ ”یہ دلچسپی اس حد تک بڑھی کہ آخر ہم دونوں میں یہ عہدو پیاں ہوگئے کہ ہم اگر شادی کریں گے تو ایک دوسرے سے ورنہ کسی اور جگہ شادی پر ترجیح دیں گے موت کو۔ گل رخ نے کہا کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمارے درمیان حائل نہیں ہو سکتی۔“

حکیم صاحب کو پھر جوش آ گیا۔ ”غلط ہے یہ' ناممکن ہے کہ گل رخ نے یہ بات کہی ہو اور اگر کہی ہے تو بس خدا مجھے موت دے دے بجائے اس کے کہ میں ایسی بے حیا لڑکی کا باپ کہلاؤں۔ ننگ خاندان' خودسر۔“

سب انسپکٹر نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”ممکن ہے ان کو غلط یاد رہ گیا ہو اور یہ بات اس نے نہ کہی ہو مگر آپ مجھے پورا قصہ تو سن لینے دیجئے۔“

حکیم صاحب نے پھر مونڈھے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”بہتر ہے سن لیجئے قصہ۔“

ارجمند نے سلسلہ جاری رکھا۔ ”ہمارا یہ عہد اس حد تک پختہ تھا کہ جب میری نسبت گئی چچا میاں کے یہاں اور نامنظور ہوئی تو گل رخ کی صحت پر اس کا نہایت ناگوار اثر پڑا اور جب گل رخ کی نسبت ان کے ایک اور عزیز کے یہاں سے آئی اور منظور کر لی گئی تو گل رخ نے جرات سے کام لے کر ایک خط اپنی والدہ کو لکھا کہ اگر اس جگہ اس کی شادی کی کوشش کی گئی تو ڈولے میں صرف اس کی لاش جا سکے گی۔“

حکیم صاحب نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ”جی ہاں لاش جائے گی۔ مجھے بھی مثنوی ”زہر عشق“ والا سوداگر سمجھ رکھا تھا ان صاحبزادی نے جس کی لڑکی نے زہر کھا لیا تھا۔ بخدا بزدل تھا میں' ورنہ گولی ماردینا چاہیے تھی اس خط کے جواب میں یعنی بواپسی ڈاک۔“

ارجمند نے سلسلہ جاری رکھا۔ مگر گل رخ کے اس خط کے باوجود شادی کی تیاریاں ہوتی رہیں اور اس کا دماغ ماؤف ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس نے اپنا دماغی توازن اس حد تک کھو دیا کہ وہ کچھ اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کرنے لگی جو کسی ناواقف کو پاگل پن کی باتیں محسوس نہیں ہو سکتیں مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کا دماغ بالکل ہی الٹ چکا ہے کہ اب وہ مجھ کو بھی آنکھیں پھاڑے دیکھتی رہتی ہے اور قطعاً نہیں پہچانتی۔“

حکیم صاحب نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”خیر یہ تو کوئی بات نہیں مگر غضب تو یہ ہوا کہ وہ میرے سامنے آنکھ اٹھا کر بات بھی نہ کرتی تھی اور اب نہ

جانے کہاں کہاں کی باتیں نہایت دھڑلے سے کرنے لگی ہے۔ میں چونکہ خود بھی طبیب ہوں لہٰذا مجھ کو اس تشخیص کے معاملے میں دوسرے اطباء سے شدید اختلاف ہے۔ میں ان ڈاکٹر صاحبان اور ان اطباء سے متفق نہیں ہوں جو اس کے دماغ میں خلل تجویز کرتے ہیں بلکہ میری تشخیص یہ ہے کہ وہ بالکل ٹھیک ہے صرف اس کی آنکھوں کا پانی ڈھل گیا ہے۔“

سب انسپکٹر نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ بھی گویا کوئی مرض ہے۔“

حکیم صاحب نے تمباکو کی چٹکی منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”طبی حیثیت سے یہ کوئی مرض نہیں ہے مگر اخلاقی حیثیت سے اور ہمارے خاندانی رکھ رکھاؤ کی حیثیت سے ایک شریف زادی کے لیے جو نا کتخدا بھی ہو یہ نہایت مہلک مرض ہے۔“

سب انسپکٹر نے الجھتے ہوئے کہا۔ ”اچھا تو اب رپورٹ کیا لکھوانا چاہتے ہیں آپ وہ کچھ زیور وغیرہ یا زر نقد بھی لے کر فرار ہوئی ہے۔“

حکیم صاحب نے گھبرا کر کہا۔ ”فرار؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فرار ہرگز نہ لکھئے گا میرے لیے نہایت ڈوب مرنے کا مقام ہے یہ۔ دوسرے وہ دراصل فرار ہوئی بھی نہیں ہے۔ وہ تو بس غائب ہو جایا کرتی ہے۔“

سب انسپکٹر نے کہا۔ ”آپ کے خیال میں اس کا اغوا کیا گیا ہے۔“

حکیم صاحب اور بھی سٹپٹا گئے۔ ”نہیں صاحب' استغفراللہ' اغوا سے کیا تعلق' فرار' اغوا' بس اسی قسم کے الفاظ آپ کو یاد ہیں جن سے ایک شریف خاندان کے نام پر بٹہ لگ سکے۔“

سب انسپکٹر نے عاجز آکر کہا۔ ”تو صاحب میں پھر کیا لکھوں؟ پاگل آپ کہتے ہیں کہ وہ ہے نہیں' کچھ لے کر بھاگی بھی نہیں ہے۔“

حکیم صاحب نے بات کاٹ کر کہا۔ ”نہیں صاحب بالکل نہیں۔ بھاگی واگی وہ بالکل نہیں ہے۔ ان سب سے اچھا تو یہی ہے کہ آپ اس کو پاگل ہی لکھ دیں۔“

سب انسپکٹر نے کہا۔ ”یعنی ہے نہیں پاگل اور لکھ دوں؟“

ارجمند نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”چچا میاں' آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔ آپ تشریف رکھئے' میں رپورٹ لکھوائے دیتا ہوں۔“

حکیم صاحب نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ ”اچھا صاحب' آپ ہی لکھوائیے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اتنے جھگڑے ہیں ذرا سی رپورٹ لکھوانے میں تو کیوں آتا یہاں۔“

ارجمند نے سب انسپکٹر سے کہا۔ ”آپ تو صرف یہ رپورٹ درج کر لیجئے کہ گل رخ نامی ایک لڑکی جو حکیم فیاض علی صاحب کی دختر ہے' اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی ہے اور اسی دیوانگی کے عالم میں دو مرتبہ پہلے بھی غائب ہو چکی ہیں مگر اس مرتبہ پندرہ دن ہونے کو آئے ہیں اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا وہ نہ کچھ لے کر گئی ہے نہ اغوا وغیرہ کا یہ قصہ ہے۔“

حکیم صاحب نے وہیں بیٹھے بیٹھے کہا۔ ’’اجی اغوا سے بدتر ہے یہ قصہ۔ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا صاحبزادی نے اور اگر اس کے دماغ میں خرابی ہے بھی تو تم ذمہ دار ہو اس خرابی کے۔ اب تو خیر وہ مل جائے تو تمہارے ساتھ ہی اس کی شادی کر کے میں اپنا پیچھا چھڑاؤں مگر قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور تمہارا گریبان۔‘‘

ارجمند نے سب انسپکٹر سے کہا۔ ’’آپ بس یہی رپورٹ درج کر لیجیے۔ چچا میاں کی باتوں پر غور نہ کیجئے۔ ان کے دماغ پر خود اس سانحہ کا شدید اثر ہے۔‘‘

حکیم صاحب نے بلبلا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ ’’شدید اثر ہے‘ یعنی پاگل ہوگیا ہے یہ بڈھا‘ خبط الحواس ہے‘ گھاس کھا گیا ہے۔ دیکھئے تھانیدار صاحب آپ خود عاقل بالغ آدمی ہیں‘ وردی پہنتے ہیں میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اگر یہ صاحبزادے اس کے دماغ میں یہ کیڑا نہ رینگاتے جس سے ایک نوجوان ناتجربہ کار لڑکی اور ایک ناپختہ کار احمق لڑکے کے درمیان دلچسپی پیدا ہو جایا کرتی تھی تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔ ساری ذمہ داری ان ہی حضرت کی ہے۔ سزا تو ان کی یہ ہے کہ ان ہی کو گرفتار کرا دوں مگر مجبور ہوں اس سرپھری لونڈیا کے ہاتھوں‘ بہرحال لکھ لیجیے۔‘‘

تھانیدار نے مسکرا کر ارجمند کو دیکھا اس کے بعد اس نے رپورٹ لکھنا شروع کر دی۔ اس عرصہ میں حکیم صاحب نہ جانے بیٹھے کیا کیا بڑبڑاتے رہے۔ کبھی بٹوہ کھول کر چھالیہ پھانک لیتے تھے۔ کبھی تمباکو کی چٹکی منہ میں ڈال لیتے تھے کبھی نہ جانے انگلیوں پر کوئی حساب لگانا شروع کر دیتے تھے یا وظیفہ پڑھ لیتے تھے مگر وہ اس وقت گڑبڑا کر کھڑے ہو گئے جب ارجمند نے گل رخ کی تصویر سب انسپکٹر کو دی۔

’’یہ کیا ہے‘ تصویر-------یعنی اب میری دختر کی تصویر تھانے پر لٹکائی جائے گی۔ جی نہیں‘ یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ ملے یا جہنم میں جائے مگر خاندان کا نام اس طرح روشن نہ ہونے دوں گا۔ پھاڑ ڈالیے صاحب یہ رپورٹ۔‘‘

سب انسپکٹر نے بمشکل سمجھایا کہ اس تصویر سے گل رخ کے جلد ملنے میں آسانیاں پیدا ہوں گی اور یہ بھی معجزہ تھا کہ حکیم صاحب مطمئن ہو کر تھانے سے گئے۔

ڈاکٹر خالد کا گھر اب معمول پر آ چکا تھا اور وہ کچھ دن آرام کر لینے کے بعد اب اپنا مطب اور اپنا نرسنگ ہوم بنانے میں ہمہ تن مصروف ہو چکا تھا۔ دراصل بنا بنایا تو سب کچھ تھا ہی‘ اس کی ترتیب اور متعلقہ سامان کی آرائش وغیرہ اس کو کرنا تھی۔ اس کی کوٹھی کا بیرونی حصہ اس قدر وسیع تھا کہ مطب کے لیے اس کو اس سے زیادہ موزوں ترین جگہ شاید ہی کوئی ملتی۔ اس طرح اس کی کوٹھی کی انیکسی اس کے نرسنگ ہوم کے لیے موزوں ترین جگہ تھی جو نام کی تو انیکسی تھی مگر خود اس میں چار بڑے اور دو چھوٹے کمرے موجود تھے جن میں بیک وقت وہ کئی مریضوں کو اپنے زیر علاج رکھ سکتا تھا۔ اس نے اپنے پہنچنے سے پہلے ہی تمام ہدایتیں نعیم بھائی کو نہایت تفصیل سے بھیج دی تھیں اور لکھ دیا تھا کہ انیکسی

کے نرسنگ ہوم بنانے کے لیے جو سامان لا رہا ہوں اس کے علاوہ یہ یہ سامان آپ مہیا کر لیجئے چنانچہ نعیم بھائی نے جن کو خالد کے مزاج میں کافی دخل حاصل تھا' مطب اور نرسنگ ہوم دونوں کے لیے فرنیچر وغیرہ ایسا بنوا رکھا تھا جن میں سے کسی ایک چیز سے خالد کو اختلاف نہ ہو سکا۔ کچھ دن بعد وہ تمام سامان بھی پانی کے جہاز سے کراچی پہنچ کر لاہور آ گیا' جو خالد نے اپنے مطب اور نرسنگ ہوم کے لیے ولایت سے بک کروایا تھا اور اب ڈاکٹر خالد کا مطب اور یہ نرسنگ ہوم دونوں اولوالعزم ڈاکٹر کے مطب اور نرسنگ ہوم کی حیثیت سے چلنے لگے۔ نرسنگ ہوم میں باسلیقہ نرسیں سرگرم عمل نظر آنے لگیں اور مطب میں ڈاکٹر خالد کے کئی اسسٹنٹ مریضوں کی دیکھ بھال کرتے نظر آنے لگے۔ خود ڈاکٹر خالد کی مصروفیت کی تو کوئی انتہا ہی نہ تھی اس کو خود یہ توقع نہ تھی کہ اتنی جلدی اس کو یہ مقبولیت حاصل ہو جائے گی اور اس کی پریکٹس چل نکلے گی مگر اس نے اپنا مطب اور نرسنگ ہوم قائم کرتے ہی ایک آدھ آپریشن کچھ ایسی معجز نمائی کے ساتھ کیا کہ دھوم مچ گئی اس کی کہ واقعی دماغی امراض کا صحیح معنوں میں ماہر ہے۔ صرف مقامی ہی نہیں دور دور سے مریض آنے لگے اور کچھ ایسا دست شفا پایا تھا اس نے کہ مایوسی کی حد تک پہنچے ہوئے مریض اس کے مطب اور نرسنگ ہوم سے تندرست ہو کر جانے لگے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مشغول ڈاکٹر کو اپنی فرصت کے نہایت ہی محدود لمحے میسر آ سکتے ہیں۔ مگر گل رخ اس معاملے میں بھی اس کے واسطے بلائے بے درماں ثابت ہوئی۔ ڈاکٹر خالد نے اس کا نام ''رسٹ واچ'' رکھ چھوڑا تھا۔ مگر وہ اپنے نام پر بھی بجائے خفا ہونے کے بڑی خندہ پیشانی اور مستعدی کے ساتھ یہی کہتی تھی کہ

''دیکھئے جناب' آپ مجھ کو رسٹ واچ کہیں یا الارم ٹائم پیس مگر میں آپ سے وقت کی پابندی ضرور کراؤں گی۔ آپ نے مطب میں آنے کا وقت نو بجے مقرر کیا ہے لہٰذا نو بجے آپ کو یقیناً مطب میں پہنچ جانا چاہیے۔ ایک بجے پہنچنے کے لیے آپ کو مطب سے گھر آنا ہے لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ مصروفیت آپ کی گھڑی میں ایک بجنے ہی نہ دے۔ چار بجے سہ پہر کو پھر مطب میں جانا ہے یقیناً جایئے مگر واپسی کا وقت سات بجے مقرر ہے تو سات بجے آپ کو واپس بھی آ جانا چاہیے۔''

خالد یہ سن کر کہا کرتا تھا کہ ''یہ وقت تو میں نے مقرر کیے ہیں مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ڈاکٹر کا دراصل کوئی وقت نہیں ہوتا اور مریضوں کو اس کا پورا حق حاصل ہے کہ وہ میرے فرصت کے اوقات میں سے جو وقت چاہیں مجھ سے چھین لیں۔ چنانچہ ایسی صورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں کہ میں نے لنچ پر آنے کا وقت ایک بجے رکھا ہے اور کوئی آپریشن طول کھینچ گیا ہے ظاہر ہے کہ میں مریض کو آپریشن کی میز پر چھوڑ کر تو نہیں آ سکتا۔''

اس کا جواب گل رخ کے پاس موجود تھا کہ ''خیر اس دماغی اسپتال میں رہنے کی باوجود میرا دماغ اتنا خراب تو نہیں ہے کہ میں ایسے وقت پر آپ کو پابندی وقت پر مجبور کروں مگر چونکہ مجھے یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ آپ اپنے آرام اور اپنے کھانے کے اوقات کی طرف سے بھی غافل ہو چکے ہیں لہٰذا ضرورت اس کی ہے آپ کو میں خود گرفتار کر لیا کروں۔ ڈاکٹر کا تندرست رہنا مریضوں کو تندرست کرنے سے کچھ کم ضروری

نہیں ہے۔ آپ کو اپنے مریضوں کی تو فکر ہے مگر خود اپنی طرف سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔"

چنانچہ عموماً ہوتا یہی تھا کہ ٹھیک ایک بجے گل رخ ڈاکٹر صاحب کو ڈھونڈتی ہوئی خواہ وہ مطب میں ہوں یا نرسنگ ہوم میں راؤنڈ پر پہنچ جایا کرتی تھی اور سوائے اس کے کہ جب اس کو یہ معلوم ہو کہ ڈاکٹر صاحب آپریشن تھیٹر میں ہیں وہ ڈاکٹر صاحب کو پکڑ ہی لے جاتی تھی۔ چنانچہ جہاں انہوں نے گل رخ کی صورت دیکھی فوراً ان کی نگاہ گھبرا کر گھڑی پر جاتی تھی اور وہ بے ساختہ کہہ اٹھتے تھے۔ "لیجئے صاحب وہ آ گئے ایک بجے کی سوئی ایک پر۔" اور ان کو مجبوراً اس کے ساتھ جانا ہی پڑتا تھا۔ ایک اس پر کیا منحصر تھا وہ ڈاکٹر صاحب کی ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کا اس حد تک خیال رکھتی تھی کہ کیا مجال کہ ڈاکٹر صاحب صبح بیدار ہوئے اور ان کو بستر سے لگی ہوئی میز پر ٹی کوزی سے ڈھکی ہوئی چائے کی کیتلی نہ ملے۔ کیا مجال کہ غسل خانے میں وہ کپڑے سلیقے سے لگے ہوئے نہ ہوں جو اس دن ان کو پہننا ہیں اور کیا مجال کہ ان کپڑوں میں ایک بٹن بھی ٹوٹا ہوا ہو۔ ڈاکٹر خالد کو کسی ایک دن بھی ملازم سے یہ شکایت نہ کرنا پڑی کہ مجھ کو جو بوٹ پہننا تھا اس پر پالش کیوں نہیں ہے یا اس سوٹ کے ساتھ یہ غلط ٹائی استری کر کے کیوں لگا دی ہے۔ یہ تمام اہتمام گل رخ نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ ہر چند کہ اس اہتمام کی مستحق زبیدہ اپنے کو سمجھتی تھی بلکہ ڈاکٹر صاحب کی والدہ بھی یہ چاہتی تھیں کہ زبیدہ کو پیش پیش رکھیں مگر اس کا کیا علاج کہ زبیدہ اس قسم کا جو کام بھی کرنے کو اٹھتی اس کو کیا کرایا ملتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ گل رخ نے ڈاکٹر صاحب کی والدہ کی بھی اس حد تک خدمت کی تھی کہ ان کا دل ہی اس کو دعائیں دیتا تھا اور اب ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ گل رخ کی مخالفت کریں بھی تو کس طرح وہ دیکھ رہی تھیں کہ گل رخ ڈاکٹر خالد پر چھائی ہوئی ہے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھ رہی تھیں کہ وہ اکثر زبیدہ کو اس قسم کے مشورے دیتی رہتی تھی جیسے وہ اس کو ڈاکٹر خالد کی صحیح معنوں میں بیوی بننے کے قابل بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔ مثلاً ایک دن اس نے دیکھا کہ وہ زبیدہ کے سر پر ایک خاص قسم کا جوڑا باندھ رہی ہے اور کہتی جاتی ہے۔

"یہ سب تم کو آنا چاہیے زبیدہ بہن' چار دن کے بعد تم کو ایک ایسے شوہر کے ساتھ مختلف پارٹیوں میں جانا پڑے گا جو نہ صرف سالہا سال ولایت میں رہ چکا ہے بلکہ خود بھی نہایت نفیس مزاج رکھتا ہے۔ وہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ تمہارے بال تیل میں اس طرح ڈوبے ہوئے ہوں۔"

اس قسم کی باتوں سے زبیدہ کے دل کے تمام شک وشبے بھی دھل جاتے تھے اور ڈاکٹر خالد کی والدہ بھی مطمئن ہو جاتی تھیں کہ جو کچھ ان کو نظر آ رہا ہے وہ ان کی نگاہوں کا دھوکہ ہے۔ گل رخ کی یہ تمام خدمات بے لوث ہیں اور ان کی وہ غرض نہیں ہے جو وہ سمجھ رہی ہیں۔ بلکہ ایک دن تو گل رخ نے خود ڈاکٹر خالد کو ایسا چکرایا کہ ان کا ارادہ ہوا کہ اپنے دماغی اسپتال میں خود ہی داخل ہو جائیں۔ ہوا یہ کہ گل رخ تو گئی ڈاکٹر خالد کو لنچ کے لیے اسپتال سے پکڑنے اور اس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر زبیدہ نے ڈاکٹر صاحب کے لیے وہ کپڑے نکال

دیئے جو اس وقت بدل کر ان کو گھر پر آرام کرتا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اسپتال سے آتے ہی غسل کیا جو ان کا روز کا معمول تھا مگر اس کے بعد کپڑے جو بدلنا چاہے تو وہ حیران ہی رہ گئے کہ آج یہ گل رخ کو سوجھی کیا تھی کہ گھر پر پہننے کے ڈھیلے پاجامہ کے ساتھ اس نیس وٹ پر پہننے کی کالر دار قمیض نکال کر رکھ دی ہے حالانکہ اس کو اچھی طرح معلوم ہے بلکہ وہ خود روزانہ ڈھیلا پاجامہ' بنیان اور کرتہ نکالا کرتی ہے۔ اس نے اس وقت تو کچھ نہ کہا مگر خود ہی قمیض تہہ کر کے الماری میں رکھ دی اس کی جگہ کرتہ نکال کر پہن لیا اور کھانے کی میز پر آیا تو اس نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آج کیا کسی اخبار میں یہ خبر چھپی ہے کہ کالر دار قمیض کے بجائے اگر کسی نے گھر پر بھی کرتہ پہن لیا اپنے آرام کے لیے تو اس قسم کے آرام طلب انسان کا یہ اقدام قابل دست اندازی پولیس سمجھا جائے گا۔''

ڈاکٹر صاحب کی والدہ اور گل رخ تو حیرت سے منہ اٹھا کر بیٹھ گئیں۔ زبیدہ نے اپنی غلطی کو محسوس کرتے ہوئے گردن نیچی کر لی مگر نعیم بھائی نے بات کی تہہ تک پہنچتے ہوئے کہا۔ ''آج ان کے یہ کپڑے کس نے نکالے تھے؟''

زبیدہ نے گردن جھکائے جھکائے کہا۔ ''کپڑے تو میں نے نکالے تھے مگر۔۔۔۔۔۔''

گل رخ نے جلدی سے بات کاٹی۔ ''مگر یہ غلطی مجھ سے ہوئی تھی کہ کرتا پھر الماری میں رکھ کر میں نے قمیض نکال دی تھی اس لیے کہ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ اگر بجائے کرتے کے کوئی کبھی کالر دار قمیض پہن لے تو گرفتار ہو سکتا ہے۔''

زبیدہ نے حیرت سے گل رخ کو دیکھا جو اس کے بے ڈھنگے پن کو اپنے سر اوڑھ چکی تھی اور ڈاکٹر خالد نے زبیدہ اور گل رخ دونوں پر ایک ایک نگاہ ڈال کر جو کچھ سمجھنا تھا وہ سمجھ لیا چنانچہ اس وقت تو یہ بات آئی گئی ہو گئی مگر کھانے کے بعد جب وہ اپنے کمرے میں گیا تو اس کے دماغ میں صرف یہی ایک الجھن تھی کہ آخر یہ گل رخ کون سا رول ادا کر رہی ہے۔ وہ جس ارادے سے یہاں آئی ہے اور جس طرح یہاں رہ رہی ہے اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ وہ زبیدہ کو جہاں تک ہو سکے راستہ سے ہٹانے کی کوشش کرے مگر اس کا کردار کچھ عجیب سا معمہ ہے کہ پہلے تو وہ مجھ کو ہر طرف سے گھیر کر اپنی طرف متوجہ کرتی رہی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ مجھ کو اس کا قائل ہو جانا پڑا کہ میری معیاری شریک حیات اگر کوئی ہو سکتی ہے تو گل رخ ہی ہے اور زبیدہ لاکھ میری بچپن کی منگیتر سہی مگر اتنے ہی دنوں میں جتنا گہرا مطالعہ میرا گل رخ نے کر لیا ہے اتنا زبیدہ نے سالہا سال کے ساتھ کے باوجود اب تک نہیں کیا ہے۔ گل رخ نہ صرف میرے اشارے کو بلکہ ارادے تک کو ایک نظر میں پڑھ لیتی ہے اور زبیدہ نے غالباً اس قسم کی کوئی کوشش ہی کبھی نہیں کی پھر بھی جب تک میں بچپن کی اس منگنی کا احترام کرتے ہوئے گل رخ سے بھاگتا رہا وہ میرا تعاقب کرتی رہی اور جب اس نے مجھ پر اور میرے احساسات پر فتح حاصل کر لی ہے تو اب وہ زبیدہ کو آگے بڑھا رہی ہے اور خود پیچھے ہٹ رہی ہے۔ یہ آخر ماجرا کیا ہے؟ ڈاکٹر خالد کے حافظہ پر چھوٹے بڑے بہت سے ایسے واقعات ابھر آئے جنہیں گل رخ نے زبیدہ کو اس کے قریب لانے اور خود کو ذرا دور لے جانے کی کوشش کی تھی چنانچہ اس وقت بھی وہ ایک ہی نظر میں تاڑ گیا تھا کہ پہلے گل رخ

میری بات سن کر حیران رہ گئی اور اس کے بعد جب نعیم بھائی کی بات پر سارا قصہ معلوم ہوا تو اس نے جھٹ زبیدہ کے بے ڈھنگے پن کو اپنے سر اوڑھ لیا اور نہ صرف مجھ کو ہی بلکہ زبیدہ کو بھی حیران کر دیا۔ یہ سب آخر کیا ہے اور گل رخ کی اس میں مصلحت کیا ہے۔ خالد نے آج کی دوپہر اسی گتھی کو سلجھانے کے لیے نذر کر دی۔

شام کو جب گل رخ نرسنگ ہوم سے ڈاکٹر خالد کو لے کر گھر چلی تو گھر کے راستے کی طرف جانے کے بجائے خالد نے پائیں باغ کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

’’ذرا حوض کی طرف دیکھتے چلیں کہ کتنی مچھلیاں اب تک زندہ ہیں۔ کبھی کبھی اس باغ کی سیر بھی کرنا چاہیے۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’یقیناً سیر کرنا چاہیے مگر ذرا ٹھہریے میں زبیدہ بہن کو بھی بلا لوں۔‘‘

خالد نے اس کے راستے میں آ کر اس کو روکتے ہوئے کہا۔ ’’جی نہیں مجھے آپ سے اس وقت کچھ باتیں بھی کرنا ہیں۔‘‘

گل رخ نے سراپا سوال بن کر کہا۔ ’’مجھ سے باتیں کرنا ہیں؟ تو کیا وہ ایسی باتیں ہیں کہ زبیدہ تک نہیں سکتی وہ باتیں؟‘‘

خالد نے کہا۔ ’’جی ہاں، ہر بات ہر ایک کے سننے کی نہیں ہوتی میں اپنے دماغ کا ایک بوجھ ہلکا کرنے جا رہا ہوں اور آپ چاہتی ہیں کہ اس بوجھ میں کچھ اور گھٹن بڑھا کر اپنی الجھنوں میں اضافہ کر لوں۔‘‘

گل رخ نے جیسے ڈرتے ہوئے کہا۔ ’’توبہ توبہ، میں کیوں چاہتی اگر آپ نہیں چاہتے کہ زبیدہ ساتھ ہو تو نہ سہی۔ تشریف لائیے آپ، مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ یہ بوجھ، گھٹن، الجھن یہ اتنی چیزیں آپ نے سمیٹ کہاں سے لیں؟‘‘

خالد نے باغ کی طرف بڑھتے ہوئے ایک طنز میں بجھی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ’’اتنی چیزیں کہاں سے سمیٹ لیں؟ اس کا جواب میری طرف سے ایک شاعر نے اپنے صرف مصرعہ میں دیا ہے کہ

آخر اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

گل رخ نے چونکتے ہوئے کہا۔ ’’تست؟ یہ اشارہ میری طرف ہے یا اتفاق سے آپ کا منہ میری طرف اٹھ گیا۔‘‘

خالد نے تحکمانہ انداز سے کہا۔ ’’ٹھہر جائیے بس اسی حوض کے پاس اور بننے کی کوشش کرنے کے بجائے مجھ کو جواب دیجیے صاف صاف میرے ہر سوال کا، کہ یہ آخر آپ نے کھیل کیا کھیل رکھا ہے۔‘‘

گل رخ نے بڑی سادگی سے کہا۔ ’’میں اسی لیے آپ کی اس شدید محنت کی مخالفت کرتی تھی۔ آخر آپ کے مزاج میں وہ چڑچڑاپن پیدا ہو ہی گیا جو ایک تھکے ہوئے انسان میں عموماً پیدا ہو جاتا ہے۔‘‘

خالد نے واقعی چڑچڑے پن کے ساتھ کہا۔ ’’آپ موضوع گفتگو بدلنے کی کوشش نہ کیجیے، میں اس وقت ہر تکلف سے بری ہو کر براہ

راست آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب آپ میرے ساتھ اس گھر میں آئی ہیں تو ٹرین پر آپ نے مجھ سے کیا کہا تھا۔“

گل رخ نے کہا۔ ”میں نے یہی کہا تھا کہ مجھ کو اپنے جس ہم خیال کی جستجو تھی وہ مجھ کو مل گیا۔ یہ اعتراف میں آج بھی کرتی ہوں مگر آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کسی اور کے منگیتر ہیں۔“

خالد نے کہا۔ ”جی ہاں، مگر آپ نے کہا تھا کہ اگر منگیتر ہیں تو غلط ہیں اس لیے کہ کوئی لڑکی آپ کی اتنی ہم خیال نہیں ہو سکتی جتنی میں ہوں اور اگر ہم خیالی نہ ہو تو شادی تو ایک ہی ہوتی ہے مگر زندگیاں دو تباہ ہوتی ہیں۔“

گل رخ نے کہا۔ ”مجھے یاد ہے اپنی بات مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں کسی کا حق چھین لوں۔ میں اسی ارادہ سے آپ کے ساتھ آئی تھی کہ پہلے تو آپ کی منگیتر کو آپ کا ہم خیال بنانے کی پوری کوشش کروں گی اور اگر اس کوشش میں کامیاب ہو گئی تو اپنے حق سے اس لیے دستبردار ہو جاؤں گی کہ یہ حق پھر بھی دوسرا درجہ رکھتا ہے اس کے حق کے مقابلہ میں۔“

خالد نے کہا۔ ”یہ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو گل رخ؟ تم کیوں میرے دماغی توازن کے درپے ہو؟ تم نے اس عرصہ میں مجھے اپنے سے جتنا قریب کر لیا ہے کاش تم کو معلوم ہوتا کہ زبیدہ مجھ سے اتنی ہی دور جا چکی ہے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”جی ہاں، میں اپنا یہ قصور کبھی معاف نہ کروں گی اور جذبات کی رو میں آپ سے میں اس قدر قریب آ گئی تھی کہ بے چاری زبیدہ آپ سے دور ہوتی چلی گئی مگر اب میں سنبھل چکی ہوں اور اب میں ایمانداری کے ساتھ کوشش کر رہی ہوں کہ زبیدہ کو جس طرح بھی ہو سکے آپ سے قریب لا سکوں۔ آپ زبیدہ سے جس حد تک مایوس ہیں میں اتنی ہی پر امید ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میرے تھوڑے دنوں کی کوشش کے بعد شاید آپ بھی زبیدہ سے اتنے مایوس نہ رہیں۔“

ڈاکٹر خالد نے الجھتے ہوئے کہا۔ ”گل رخ خدا کے لیے مجھ کو اس عذاب میں مبتلا نہ کرو۔ میں تمہارے تعاقب میں اس جگہ آ چکا ہوں، جہاں سے زبیدہ کے لیے واپس ہونا اب میرے امکان میں نہیں ہے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”آپ بالکل واپس نہ ہوں میں زبیدہ کو اسی جگہ لانے کی کوشش کر رہی ہوں۔“

خالد نے جز بز ہو کر کہا۔ ”غلط، ناممکن، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے جب ان باتوں کا وقت نہیں رہا نہ زبیدہ اس راہ میں میری طرف بڑھ سکتی ہے نہ میں اس کے لیے واپس ہو سکتا ہوں۔“

گل رخ نے کہا۔ ”اچھا اب ذرا ٹھنڈے دل سے انصاف کیجئے کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا ہے۔ اسی لیے نا کہ میں ناگہانی طور پر آپ کو مل گئے۔ میں نے ایک عورت کے منصب سے قدم آگے احساسات پر چھاپہ مارا۔ خود تو بے پردہ تھی ہی اپنے جذبات کو بھی بے پردگی کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا اور یہاں آنے کے بعد بھی اس خود غرضی میں خدا جانے کب تک مبتلا رہی اگر میں آپ کے اور زبیدہ کے

درمیان نہ آتی تو یہ کچھ بھی نہ ہوتا۔ مگر اب زبیدہ کی معصوم سی خاموشی نے مجھ کو چونکا دیا ہے۔ میں اس بے زبان پر یہ ظلم ہرگز نہ توڑوں گی۔''

خالد نے بات ٹال کر کہا۔ ''خواہ یہ ظلم آپ مجھ پر توڑ دیں۔''

گل رخ نے کہا۔ ''آپ یقین جانیئے کہ یہ بھی ہرگز نہ ہوگا۔ میں تو صرف کوشش کر رہی ہوں کہ زبیدہ آپ کو پالے اور زبیدہ میں آپ اس روح کو ڈھونڈ لیں جو اب آپ کو بجائے زبیدہ کے مجھ میں نظر آنے لگی ہے۔ آپ کے جذبات جن پر زبیدہ چھائی ہوئی تھی اگر میری طرف منتقل ہو سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ میری طرف سے پھر زبیدہ کی طرف منتقل نہ ہو جائیں۔ بہر حال یہ میری کوشش ہے اور اگر اس کوشش میں مجھے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔۔۔۔۔''

خالد نے مضطرب ہو کر پوچھا۔ ''تو؟۔۔۔۔تو کیا ہوگا؟''

گل رخ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''تو مجھے آپ کو بچانے کے لیے زبیدہ کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا پڑے گا۔''

خالد نے اطمینان کی سانس لے کر کہا۔ ''لہٰذا اب مجھ کو صرف یہ دعا کرنا چاہیے کہ آپ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوں۔''

گل رخ نے کہا۔ ''مانگتے رہیے یہ دعا مگر میں آمین کہنے پر مجبور نہیں ہوں اس لیے کہ میری دعا اس کے برعکس کچھ اور ہی ہے۔''

خالد نے متبسم ہو کر کہا۔ ''احمقانہ ہے وہ دعا آپ کی۔ اچھا یہ بتایئے محترمہ و معظمہ کہ آج آپ نے یہ کیا حرکت کی تھی کہ زبیدہ جس قسم کے گنوارپن کے ثبوت دیتی رہتی ہے اسی قسم کا ایک ثبوت آج بھی اس نے دیا تھا کہ گھر پر پہننے کے لیے ڈھیلے پاجامے کے ساتھ اسٹف کالر کی قمیض نکال کر رکھ دی اور آپ نے یہ حماقت جھٹ اپنے سر اوڑھ لی۔''

گل رخ نے کہا۔ ''یقیناً یہ میری حماقت تھی۔''

خالد نے ترکی بہ ترکی کہا۔ ''یقیناً یہ آپ کی حماقت نہ تھی۔''

گل رخ نے کہا۔ ''یہ کہہ رہی ہوں کہ میری حماقت تھی کہ میں نے زبیدہ کو کیوں نہیں بتایا کہ آپ گھر پر کرتہ پہننا پسند کرتے ہیں اصولاً مجھ کو چاہیے تھا کہ میں آپ کا ہر کام اسی کے ہاتھوں کراتی اور اب میں یہی کروں گی۔''

گل رخ کی طرف بڑی خوفزدہ نظروں سے خالد نے دیکھ کر کہا۔ ''بس تو ڈاکٹر صاحب قبلہ خدا ہی حافظ آپ کا' اب یہ زبیدہ بیگم آپ کو بہروپیہ بنا کر چھوڑیں گی آپ کرتے پر ٹائی باندھیں گے۔ دوپہر میں ڈریس سوٹ پہنیں گے اور اس کے ساتھ سلیم شاہی جوتا استعمال کریں گے۔''

گل رخ نے بجائے ہنسنے کے ذرا تلخی سے کہا۔ ''کمال کرتے ہیں آپ بھی یہ باتیں سیکھنے میں کتنے دن لگ سکتے ہیں کسی کو۔''

خالد نے کہا۔ ''صاحب میں اپ کو کیسے سمجھاؤں کہ صرف یہی باتیں نہیں ہیں جن کے سہارے کوئی شخص پہاڑ سی زندگی بسر کرے

جائے۔“

گل رخ نے کہا۔”جی ہاں میں جانتی ہوں کہ صرف یہی باتیں کسی کو کسی کا ہم خیال نہیں بنا سکتیں۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ اس نامراد گھڑی سے پہلے زبیدہ کے لیے آپ کے احساسات کیا تھے جب میں آپ سے ملی ہوں۔“

خالد نے کہا۔”مجھے اعتراف ہے کہ اس وقت تک کنوئیں کے مینڈک کی طرح میں یہی سمجھتا تھا کہ زبیدہ ہی میری تمام امیدوں کا مرکز ہے اور مجھ کو اس میں صرف خوبیاں نظر آتی تھیں مگر آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اب میں یہ کھلی ہوئی آنکھیں کیسے بند کرلوں۔“

گل رخ نے کہا۔”بس تو مجھ کو بھی اپنے اس گناہ کا کفارہ ادا کرنا ہے اور میں ایڑی چوٹی کا زور لگاؤں گی کہ یا تو زبیدہ کو آپ کے اس معیار پر لے آؤں جو میں نے آپ کی آنکھیں کھول کر پیدا کیا ہے یا اپنے کو اخلاقی طور پر اتنا پست کرلوں کہ زبیدہ کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی کھٹک اپنے دل میں محسوس نہ کروں۔“

ڈاکٹر خالد نے کہا۔”خدا نے چاہا تو یہ دوسری بات ہو کر رہے گی اور انشاءاللہ آپ اپنی اس احمقانہ کوشش میں ناکام ہو کر رہیں گی۔ اچھا اب ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے اور کتنا خود غرض ہوں کہ میں نے اپنے علاوہ اس سوال پر اب تک غور ہی نہیں کیا یہ سوال ہے خود آپ کے متعلق کہ اگر آپ اپنی اس احمقانہ کوشش میں خدانا خواستہ کامیاب بھی ہوگئیں تو خود آپ کا کیا حشر ہوگا؟“

گل رخ نے کہا۔”میری طرف سے آپ مطمئن رہیں میں اپنی جستجو میں ناکامیوں کی عادی ہوں۔ ریگستان کے مسافر تشنگی کی شدت میں بار بار سراب کی طرف دوڑتے ہیں اور قریب پہنچ کر اپنی نگاہوں کے اس دھوکہ کو دیکھنے کے باوجود پھر اسی قسم کے تازہ دھوکے کھاتے ہیں۔ میں سمجھ لوں گی کہ میں بھی ایک سراب کی طرف بڑھتی چلی آئی تھی اور اس کے بعد بھی میری جستجو بدستور باقی رہے گی۔“

خالد نے جذبات سے بے قابو ہو کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔”یہ نہیں ہو سکتا میں تم کو اس طرح کبھی بھٹکنے نہ دوں گا تم مجھ کو پا چکی ہو اور اب میں نے تم کو پا لیا ہے۔“

اس نے اپنا ہاتھ گل رخ کی طرف بڑھا دیا مگر گل رخ نے چند قدم پیچھے ہٹ کر کہا۔”آپ مجھے اس امتحان میں مبتلا نہ کریں، میں زبیدہ کا صبر سمیٹ کر کبھی خوش نہ رہ سکوں گی۔“

اور اسی وقت کسی کے قدموں کی چاپ سن کر ڈاکٹر خالد نے حوض میں ہاتھ ڈال کر اس کو کھنگالنا شروع کر دیا۔ آنے والی نرس تھی جس نے آتے ہی کہا۔”روم نمبر پانچ کا مریض ہوش میں آ گیا ہے۔“

ڈاکٹر خالد اس کے ساتھ ہی لپکتا ہوا چلا گیا۔

خالد کی اس بے باکی نے اور جذبات کی رو میں اس حد تک بھٹکنے نے گل رخ کو جس حد تک ششدر کیا تھا اس سے کہیں زیادہ زبیدہ نے

خالد کے جانے کے بعد ہی ایک جھاڑی سے برآمد ہو کر اس کو دنگ کر دیا۔ زبیدہ جھاڑی سے نکلتے ہی گل رخ سے دوڑ کر لپٹ گئی اور قریب تھا کہ گل رخ اس اچانک حملے پر چیخ اٹھے کہ زبیدہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

’’گل بہن، میں سب کچھ سن چکی ہوں اور تم سے اب صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم مجھ کو معاف کر دو جو کچھ خالد نے کہا ہے اس کا تعلق تو میری قسمت سے ہے مگر میں تمہاری قصوروار ہوں کہ میرے دل میں تمہارے متعلق نہ جانے کیا کیا تھا۔‘‘ گل رخ نے بات کاٹ کر گھبراتے ہوئے کہا۔ ’’تمہارے دل میں میرے متعلق جو کچھ تھا وہ بالکل درست تھا میں واقعی تمہارے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کی نیت سے یہاں آئی تھی۔‘‘

زبیدہ نے کہا۔ ’’مگر اب تو تم خود اپنے جذبات پر ڈاکہ ڈال رہی ہو۔ مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ تمہارے اس پیکر میں ایک مقدس فرشتہ چھپا ہوا ہے۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’نہ نہ نہ، اس غلط فہمی میں بھی نہ رہنا میرے دل میں جو چور چھپا ہوا ہے اس کو فرشتہ کہہ کر فرشتے کی تقدیس پر حملہ نہ کرو۔ البتہ یہ دعا مانگو کہ میں جو کوشش کر رہی ہوں ایک جیتی جاگتی خودکشی کی، اس میں کامیاب ہو جاؤں۔ اب تک یہ کوشش میرے امکان میں تھی مگر آج خالد کی ان باتوں نے مجھ کو پھر ڈگمگا دیا ہے۔‘‘

زبیدہ نے کہا۔ ’’تم کس قدر سچی ہو۔ کس قدر ایماندار اور صاف گو ہو۔‘‘

گل رخ نے بڑی سنجیدگی اور روانی سے کہا۔ ’’خیر وہ تو میں ہوں مگر تمہارے حقوق کی غاصب بھی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہارا حق تم ہی کو ملے مگر نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے جو چیز میں پا چکی ہوں وہ اپنے سے چھین کر تمہارے حوالے کرنا چاہتی ہوں تم نے اچھا کیا یہ باتیں خود سن لیں ورنہ مجھے ایک ایک بات یاد رکھ کر تم کو بتانا پڑتی۔ اچھا اب تم بھی دیانتداری اور صاف گوئی سے کام لے کر یہ بتاؤ کہ تم کو خالد کیوں پسند ہے؟‘‘

زبیدہ نے کہا۔ ’’کیا پسند کی تشریح ممکن ہے گل بہن! مگر اب پسند ناپسند کا کیا سوال ہے۔ میں زبردستی اپنے آپ کو ان کے سر منڈھنا نہیں چاہتی مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ میرے لیے ان کی رائے کے اظہار کے بعد میں اپنی نسائیت کی توہین سمجھتی ہوں کہ دامن پھیلا کر ان سے محبت کی بھیک مانگوں۔‘‘

گل رخ نے اس کی بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا۔ ’’خیر یہ محض الفاظ ہیں۔ اس قسم کے معاملات میں اکثر زبان دل کا اور دل زبان کا ساتھ نہیں دیتا مگر میں یہ پوچھ رہی ہوں کہ تم کو خالد کیوں پسند ہے؟‘‘

زبیدہ نے کہا۔ ’’میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ اب اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔‘‘

گل رخ نے بڑے وثوق سے کہا۔ ''کیوں نہیں پیدا ہوتا ہے سوال؟ تم نے خالد کی زبان سے یہ سنا ہے نا کہ وہ تم کو پسند نہیں کرتا مگر تم تو اس کو پسند کرتی ہونا۔''

زبیدہ نے کہا۔ ''جب وہ مجھے پسند نہیں کرتے تو میں ان کو کیوں پسند کروں؟''

گل رخ نے یقین نہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تو کیا تمہارے نزدیک محبت کی حیثیت جوابی کارڈ کی ہوتی ہے۔''

زبیدہ نے کہا۔ ''جی ہاں تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔''

گل رخ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''میری بہن تالی بجنے میں اور محبت میں بڑا فرق ہے۔ یا یہ کہہ دو صفائی کے ساتھ کہ تم خالد کو اس لیے پسند کرتی تھیں کہ وہ تم کو پسند کرتا تھا اور یہ محبت نہ تھی بلکہ ایک قسم کا السلام علیکم وعلیکم السلام تھا۔''

زبیدہ نے کہا۔ ''ممکن ہے یہی ہو مگر میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ خالد کی یہ باتیں سننے کے بعد میں اس کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں کہ یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی ان سے کہوں کہ للہ مجھ کو قبول کر لیجیے۔''

گل رخ نے کہا۔ ''دیکھو زبیدہ' میں پھر تم سے کہتی ہوں کہ مجھ سے سچائی کے ساتھ باتیں کرو تا کہ ہم دونوں کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ تم کو خالد کے حسن نے فریفتہ کیا تھا نا۔''

زبیدہ نے کہا۔ ''میں کیوں جھوٹ بول کر کہوں کہ یہ غلط ہے۔''

گل رخ نے کہا۔ ''اگر یہ صحیح ہے تو اس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ خالد سے بھی زیادہ حسین نوجوان اس دنیا میں موجود ہیں۔ خالد میں بحیثیت مجموعی جو دلکشی ہے اس سے زیادہ دلکشی کا بھی امکان کسی اور میں موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ تم کو خالد سے وابستگی تھی اس کا اصل راز کیا ہے اور وہ کونسی خصوصیت ہے جو خالد کے علاوہ کسی اور میں ممکن ہی نہیں۔''

زبیدہ نے کہا۔ ''میں تو یہ سمجھتی تھی کہ ان کی تمام خصوصیات صرف ان ہی تک محدود تھیں۔''

گل رخ نے کہا۔ ''سمجھتی تھی؟ یعنی اب نہیں سمجھتی۔ دیکھو اب مجھ سے سنو۔ تم کو ان سے دراصل دلچسپی نہ تھی بلکہ یہ دلچسپی خود اپنی ذات سے تھی اور اس لیے تھی یہ دلچسپی خالد سے کہ خالد کو تم سے دلچسپی تھی۔ اگر تم کو خالد سے زیادہ تم سے دلچسپی رکھنے والا کوئی مل جاتا تو خالد کی یہ خصوصیت تمہاری نگاہوں میں باقی نہ رہتی۔ خالد کو بھی تم سے اسی قسم کی سطحی دلچسپی تھی مگر جب میں ان سے ملی اور ان کو اندازہ ہوا کہ میں ان کی ذات سے زیادہ دلچسپی لے رہی ہوں تو جو دلچسپی تم سے تھی وہ منتقل ہوگئی میری طرف۔''

زبیدہ نے کہا۔ ''خیر جو کچھ بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔''

گل رخ نے اس کو روکتے ہوئے کہا۔ ''پہلے میری پوری بات سن لو۔ تم نے مجھ سے سوال نہیں کیا ہے مگر میں خود تمہاری طرف سے سوال

کرتی ہوں کہ خود مجھ کو خالد سے کیوں دلچسپی ہوئی اور میں نے تمہارے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کی کیوں کوشش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مجھ کو خالد کے حسن' خالد کی دلکشی' خالد کی ذہانت اور طباعی خالد کی جامہ زیبی' خالد کی دولت' خالد کی قابلیت ان میں سے کسی چیز نے ہرگز متاثر نہیں کیا ہے۔ مجھ کو دراصل تلاش تھی ایک ہم خیال کی اور چونکہ میرے خیالات نہایت الجھے ہوئے اور دنیا سے کچھ نرالے ہیں لہٰذا مجھ کو اپنی اس جستجو میں کبھی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ نہ جانے کتنی خاک چھاننے کے بعد یہ حضرت مجھ کو ایسے ملے جن کو میں نے ہو بہو ویسا ہی پایا اور اتنا ہی ہم خیال دیکھا جتنا اور جیسا میں چاہتی تھی۔ وہ بھی میری طرف اس لیے متوجہ ہوگئے کہ دنیا کی ہر کشش سے زیادہ ہم خیالی کی کشش ہوتی ہے ورنہ تم مجھ سے زیادہ حسین اور دلکش ہو۔ تم سے ان کی وابستگی اس حد تک مستحکم تھی کہ ولایت میں سالہا سال کا قیام بھی ان کو ڈگمگا نہ سکا۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”میں سب کچھ سمجھ چکی ہوں سوائے اس میں ایک بات کے کہ اب آخر تم میری ہاری ہوئی بازی کو کیوں جتانا چاہتی ہو اور میری وکالت کیوں کر رہی ہو؟“

گل رخ نے کہا۔ ”یہ میں تم پر احسان نہیں کر رہی ہوں۔ بلکہ میرا ضمیر مجھ کو ملامت کر رہا ہے کہ میں خود غرضی میں مبتلا ہوں' میں ایمانداری کے ساتھ کوشش کرنا چاہتی ہوں کہ تم کو خالد کا اور خالد کو تمہارا ہم خیال بنانے کی کوشش کروں اور اس کوشش میں کامیاب ہو کر اپنی ناکامی میں بھی فاتحانہ شان پیدا کروں۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”مگر میں طے کر چکی ہوں کہ اب تم دونوں کے درمیان سے ہٹ جاؤں گی۔“

گل رخ نے کہا۔ ”جلد بازی سے کام نہ لو' مجھے کوشش کر لینے دو اگر میں اس کوشش میں ناکام ہوگئی تو صاف صاف تم سے کہہ دوں گی کہ تم اس طرف سے صبر کر لو۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”تم سے زیادہ یہ بات خود خالد کہہ چکے ہیں اور جو کچھ آج میں نے سنا ہے اس کو میں اپنی قسمت کا آخری فیصلہ سمجھتی ہوں میں نے تو اس وقت تم کو اس لیے یہاں گھیرا ہے کہ تمہارے سامنے اس بات کا اعتراف کر لوں میں اپنے اور خالد کے درمیان تم کو خلیج کا درجہ دیتی تھی' جو غلط ثابت ہوا۔“

گل رخ نے کہا۔ ”مگر یہ غلط کب ثابت ہوا یہ تو واقعی ہے۔ میری حیثیت واقعی خلیج کی ہے اور اپنی اسی حیثیت پر میں نادم ہوں بلکہ اپنی اس حیثیت کو جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا ختم کرنے کی کوشش ہی کروں گی۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”مگر تمہارا کردار ہے عجیب و غریب اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ۔۔۔۔۔۔“

گل رخ نے بات کاٹ کر کہا۔ ”خیر اسے سمجھنے کی کوشش بھی نہ کرو میں نہ تم سے پوچھ کر یہاں آئی تھی' نہ تم سے پوچھ کر خالد کو تم سے اتنی دور کیا' نہ اب مجھ کو پوچھ کر تم دونوں کو پھر قریب لانے کی کوشش کرنا ہے۔ یہ سب کچھ خود بخود ہوا ہے اور آئندہ بھی جو کچھ ہوگا خود بخود ہوگا۔

البتہ مجھ کوتمہارے تعاون کی ضرورت ہے اورتمہارے اس اعتماد کی بھی ضرورت ہے کہ میں نیک نیتی کے ساتھ تم کوخالد کے قریب لانے کی کوشش کررہی ہوں۔“

زبیدہ نے کہا۔”یہ مجھ کومعلوم ہے مگرنہ جانے کیوں میرا دل اس خیرات کوقبول کرنے سے بغاوت کررہا ہے۔“

گل رخ نے کہا۔”اس بیگانگی میں بھی بلا کی یگانگت ہے۔تمہاری موجودہ کیفیت کوشاعرنے یوں نظم کیا ہے کہ

محبت میں پہلے پرستاریاں تھیں
محبت ہے اب اور بیزاریاں ہیں

بہرصورت محبت باقی ہے پہلے یہ محبت تمہارے شعور میں تھی اب تحت الشعور میں ہے۔“

زبیدہ نے گویا طنز سے کہا۔”کس قدر کتابی باتیں کررہی ہوگل بہن۔یہ باتیں لکھی جاسکتی ہیں دراصل ہوتی ذرا مشکل ہی سے ہیں۔ میں تم کویقین دلاتی ہوں کہ میرے دل میں خالد کوحاصل کرنے کے لیے اب کوئی امنگ باقی نہیں ہے۔“

گل رخ نے کہا۔”ہے وہ امنگ‘ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے وہ تمہاری نسائیت پر چھائی ہوئی تھی اب تمہاری نسائیت اس پر چھاگئی ہے۔تم ذرادیکھوتوسہی کہ یہ بادل کس خوبصورتی سے چھٹتے ہیں بس تم اپنے کومیرے حوالے کردوتا کہ میں تم کوخالد کے حوالے کرنے کے قابل بناؤں۔بس اب میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔میری نیک نیتی اور میرے خلوص پر اعتماد کروتا کہ ہم دونوں خالد کے خلاف سازش کرسکیں۔چلواب بہت دیر ہوگئی ہے۔وہ حضرت واپس آنے والے ہوں گے۔“

آپ نے کٹھ پتلیوں کا کھیل تو دیکھا ہی ہوگا وہی کھیل آج کل ڈاکٹر خالد کے گھر میں گل رخ کھیل رہی تھی کہ خودتو پس پردہ تھی اور پردے کے سامنے زبیدہ کواس کٹھ پتلی کی حیثیت حاصل تھی جس کی ڈورگل رخ کی انگلیوں میں تھی جس کے اشارے پر یہ کٹھ پتلی ناچ رہی تھی اور خالد کی حیثیت اس تماشائی کی تھی جو بجائے خودتماشا بن کررہ گیا تھا اور زبیدہ سے کترا کرگل رخ کی طرف جانا چاہتا تھا مگر جدھر جاتا گل رخ کے بجائے زبیدہ ہی کو پاتا تھا گویا زبیدہ زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ

جہاں جائے گا ہمیں پائے گا

مگرنہ زبیدہ کواس بات کا صحیح اندازہ تھا نہ گل رخ صحیح طور پراس سے واقف تھی کہ خودڈاکٹر خالد پران دنوں کیا کیفیت گزررہی ہے وہ اپنی شرافت نفس کے تحت یہ بھی نہ چاہتا کہ زبیدہ سے کوئی ایسی بے رخی برتے کہ اس کی دل شکنی ہواور نہ یہ گوارا کرسکتا تھا کہ بجائے گل رخ کے زبیدہ اس پرتعینات رہے۔اس کشمکش نے اس کوکچھ عجیب چڑچڑاسا بنا رکھا تھا اور خواہ وہ اپنے کوکتنا ہی سنبھالے مگر کیفیت یہ ہوکے رہ گئی تھی کہ چلتی ہوا سے لڑنے کواس کا جی چاہتا تھا۔اس کے نرسنگ ہوم میں اس کے ماتحت ڈاکٹر‘ کمپاؤنڈر اور نرسیں تک یہ محسوس کرچکی تھیں کہ

ڈاکٹر صاحب کی وہ خندہ پیشانی اور وہ بات بات میں شگفتگی کہ جیسے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں یکا یک رخصت ہوگئی ہے اور ان کا مزاج کچھ بدلا بدلا سا نظر آتا ہے جیسے وہ کسی بیماری میں مبتلا ہوں جسے محسوس تو کریں ظاہر نہ کرسکیں۔ مطب میں مریضوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک وہ اگلا سا نہ تھا مثلاً آج ہی ایک قصہ خواہ مخواہ طویل کھینچ گیا۔ ایک صاحب اپنے بچے کو دکھانے لائے تھے کہ یہ بچہ پچھلے سال تک نہایت ذہین' نہایت طباع اور ہر اعتبار سے صحیح الدماغ تھا مگر پچھلے سال جب اس کے امتحان کا نتیجہ نکلا اور اس نے اپنا رول نمبر کامیاب طلباء کی فہرست میں نہ پایا تو یہ یکا یک چپ رہ گیا اور ایک ہفتہ تک کسی سے کوئی بات نہ کی اس کے بعد سے اس کا یہ عالم ہے کہ ابھی بات کہے' ابھی بھول جائے گا۔ خود بخود مسکراتا رہے گا' مسکراتے مسکراتے معلوم ہوگا کہ جیسے غموں کی بدلی اس پر چھا گئی ہے۔ نماز پڑھنے کھڑا ہوگا تو ایک ایک رکعت میں بعض اوقات گھنٹوں لگا دے گا اس لیے کہ الحمد پڑھے گا اور کہیں اٹک کر پھر شروع کرے گا پھر بھولے گا اور پھر شروع کرے گا۔ مختصر یہ کہ نہایت تفصیل سے انہوں نے بچے کی کیفیت بیان کی مگر جب ڈاکٹر نے اس بچے کو بلا کر اس کا معائنہ شروع کیا تو یہ صاحب پھر سے تمام کہی ہوئی باتیں دہرانے لگے۔ ایک آدھ مرتبہ تو ڈاکٹر خالد نے ان کو منع کیا کہ مریض کے سامنے یہ باتیں نہ دہرائے جو مریض کی عدم موجودگی میں آپ نہایت تفصیل سے سنا چکے ہیں پھر بھی یہ حضرت نہ مانے تو ڈاکٹر خالد نے ان کو علیحدہ لے جا کر کہا کہ میں آپ کو منع کرچکا ہوں کہ یہ باتیں آپ مریض کے سامنے نہ کہیں ورنہ اس کی توجہ آپ کی ان باتوں کی طرف ہوجائے گی اور میں اس کی بے ساختگی سے جو کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں معلوم نہ کرسکوں گا۔ دماغی مریض کے سامنے اس کی دماغی کیفیت بیان کرنے کا نہایت مضر اثر اس پر پڑتا ہے۔ مگر اس کے بعد بھی جب ڈاکٹر خالد اس بچے سے ادھر ادھر کی باتیں کررہے تھے یہ صاحب پھر بولے۔

"بعض اوقات یہ اس سے بھی زیادہ خوفناک آنکھوں سے مجھ کو اور تمام گھر والوں کو دیکھتا ہے۔"

ڈاکٹر خالد نے جز بز ہوکر کہا۔ "جناب محترم میری رائے یہ ہے کہ اس بچے کو دراصل کوئی شکایت نہیں ہے البتہ آپ جس دماغی خلل میں مبتلا ہیں اس کا علاج اس کے علاج سے پہلے ہوجانا ضروری ہے۔"

وہ حضرت ایک دم چونک کر بولے۔ "جی' کیا فرمایا؟ میں دماغی خلل میں مبتلا ہوں۔ یعنی یہ نہیں بلکہ دراصل میں سنک گیا ہوں' یہ آپ کیا فرمارہے ہیں۔ میری عالی دماغی کا اعتراف تو میرے خاندان کے علاوہ میرے محکمہ کے تمام افسران بالا کو بھی ہے۔ حال ہی میں مجھے حسن کارکردگی کی سند ملی ہے۔"

ڈاکٹر نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "جی ہاں ملی ہوگی سند' مگر اس قسم کے تمام مریض اپنے کو نہایت عالی دماغ ہی سمجھتے ہیں۔"

وہ حضرت ذرا تشویش سے بولے۔ "مگر آپ پہلے ڈاکٹر ہیں کہ اصل مریض کے بجائے آپ مریض کے باپ کو پاگل کہہ رہے ہیں۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "جی ہاں میرا یہی خیال ہے کہ یہ اگر پاگل ہے تو آپ پاگل کے باپ ہیں۔"

اس پاگل لڑکے نے تالی بجا کر ہنستے ہوئے کہا۔ ’’پاگل کے باپ‘‘

وہ صاحب بولے۔ ’’خیر میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور یہ محض آپ کی ناتجربہ کاری ہے۔ میں نے تو بڑی شہرت سنی تھی آپ کی مگر ثابت یہ ہوا کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔‘‘

پاگل لڑکے نے اپنے گھٹنے پر ڈھول بجاتے ہوئے کہا۔ ’’ڈھبا ڈھب‘ ڈھب‘ ڈھبا ڈھب ڈھب ڈھب‘‘

وہ صاحب بولے۔ ’’کیوں صاحب‘ یہ پاگل پن نہیں ہے۔‘‘

ڈاکٹر خالد نے کہا۔ ’’ہرگز نہیں‘ ڈھول کے ذکر پر اگر اس نے بانسری کی آواز پیدا کی ہوتی تو میں اس کو پاگل سمجھ سکتا تھا مگر اس نے تو ڈھول ہی کی آواز پیدا کی ہے۔‘‘

وہ صاحب حیرت سے بولے۔ ’’بخدا مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ آپ ڈاکٹر خالد نہیں بلکہ ان کے کوئی مریض ہیں۔‘‘

ڈاکٹر خالد نے کہا۔ ’’یہ بات البتہ صحیح الدماغی کی نہیں ہے کہ آپ ڈاکٹر کو مریض سمجھ رہے ہیں۔‘‘

وہ صاحب بولے۔ ’’میں اس لیے سمجھ رہا ہوں کہ آپ پاگل کے بجائے اس کے باپ کو پاگل سمجھ رہے ہیں۔‘‘

ڈاکٹر صاحب بولے۔ ’’جی ہاں‘ یہ کوئی بے تکی بات نہیں یہ تو نسلی سلسلہ ہوتا ہے۔‘‘

وہ صاحب واقعی حواس باختہ ہو کر بولے۔ ’’گویا یہ بچہ خاندانی پاگل ہے۔ یہ پاگل ہے۔ یہ پاگل پن مجھ سے اس میں منتقل ہوا ہے اور مجھ میں میرے باپ کا اور ان میں ان کے باپ کا پاگل پن منتقل ہوا تھا۔ غلط ہے۔ بخدا غلط ہے۔ میرے والد محترم نہایت اعلیٰ پایہ کے شاعر گزرے ہیں۔‘‘

ڈاکٹر خالد نے اطمینان سے کہا۔ ’’انشاء بھی بہت بڑا شاعر تھا مگر۔۔۔۔۔۔‘‘

وہ صاحب بات کاٹ کر بولے۔ ’’مگر پاگل تھا‘ پاگل ہو گیا تھا۔ گویا میرے باپ بھی پاگل ہو کر مرے ہیں۔ بکواس ہے سب۔‘‘

ڈاکٹر خالد نے کہا۔ ’’کوئی مہذب اور صحیح الدماغ انسان کسی مہذب اور صحیح الدماغ انسان کی بات کو بکواس نہیں کہہ سکتا۔ مگر میں آپ کی بات پر برا نہیں مانتا میرے مریض مجھ کو گالیاں تک دیتے ہیں۔‘‘

وہ صاحب مشتعل ہو کر بولے۔ ’’گویا دماغی مریض‘ مگر میں پاگل نہیں ہوں البتہ تم مجھ کو پاگل بنا دو گے تم ہرگز ڈاکٹر نہیں ہو‘ اناڑی ہو‘ عطائی ہو‘ ٹھگی کر رہے ہو‘ لٹیرے ہو تم۔‘‘

ڈاکٹر خالد کا اسسٹنٹ جو ابھی داخل ہوا تھا پاگل لڑکے کے قریب جا کر بولا۔ ’’یہ والد ہیں آپ کے؟ یہ شکایت کب سے ہے ان کو؟‘‘

ڈاکٹر خالد نے ہنس کر کہا۔ ’’میں بتا دوں گا آپ کو۔‘‘

وہ صاحب خالد کے اسسٹنٹ کے قریب آ کر بولے۔ ’’دیکھئے صاحب میں اچھا خاصا ہوں اپنے بچے کو دکھانے آیا تھا یہ حضرت مجھ ہی کو پاگل سمجھ بیٹھے۔ میری سمجھ میں تو آتا نہیں کہ ان کو ڈاکٹر کس چغد صحرائی نے بنا دیا؟‘‘

اسسٹنٹ نے بے پروائی سے کہا۔ ’’سچ کہتے ہیں آپ بڑے میاں، اچھا بتایئے آج کون سا دن ہے؟‘‘

وہ حضرت گھبرا کر بولے۔ ’’کل جمعہ تھا لہٰذا ہفتہ ہوا آج سنیچر گویا سچر ڈے‘‘

اسسٹنٹ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ’’اچھا آپ تو بڑے قابل آدمی ہیں سچر ڈے بھی جانتے ہیں۔‘‘

پاگل لڑکا بولا۔ ’’سٹرڈے، سنڈے، منڈے‘‘

وہ صاحب بولے۔ ’’سن لیا آپ نے، بس اسی قسم کی باتیں کرتا ہے۔‘‘

ڈاکٹر خالد نے کہا۔ ’’تو اس نے کون سی غلط بات کہی، دنوں کی صحیح ترتیب بتائی ہے۔‘‘

اسسٹنٹ نے کہا۔ ’’ڈاکٹر صاحب دونوں میں سے مریض کون سا ہے؟‘‘

وہ صاحب بولے۔ ’’یعنی آپ کو سجھائی نہیں دیتا۔ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ لاحول ولاقوۃ میں کہاں آ کر پھنس گیا۔ چلو جی۔‘‘

اور یہ کہہ کر انہوں نے لڑکے کو ساتھ لیا اور چل دیئے۔

ان کے جانے کے بعد ڈاکٹر خالد نے اپنے اسسٹنٹ کو تمام حالات بتائے اور دونوں ہنستے ہنستے لوٹ گئے مگر اسی وقت خالد کو اپنے فرض کا احساس ہوا اور اس نے اسسٹنٹ کو دوڑایا کہ ’’ان صاحب کو مع بچے کے لے آؤ۔ بچے کو میرے پاس چھوڑ دو اور ان صاحب کو علیحدہ لے جا کر سمجھا دو کہ دماغی مریض کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنے سے اس کا دماغی توازن ڈاکٹر کو کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں مدد نہیں دے سکتا۔‘‘

ڈاکٹر خالد نے اسسٹنٹ کو ادھر دوڑایا اور تنہائی میں بھی وہ اس لطیفہ پر دیر تک ہنستا رہا۔ مگر یکایک زبیدہ نے داخل ہو کر اس ہنسی کو ایسا جذب کیا جیسے روشنائی پر یکایک بلاٹنگ پیپر رکھ دیا جائے۔

زبیدہ نے آتے ہی کہا۔ ’’لنچ میز پر لگا دیا گیا ہے۔‘‘

خالد نے کہا۔ ’’شکریہ، مگر مجھے ابھی ذرا دیر لگے گی۔ میں ایک مریض کو دیکھنے کے لیے بلا چکا ہوں۔‘‘

زبیدہ نے کہا۔ ’’اس قسم کا عذر آپ گل رخ سے تو کبھی نہ کرتے تھے۔‘‘

خالد نے پیچ وتاب کھا کر اپنے کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ’’اس میں تقابل کی کوئی ضرورت نہیں، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں، آپ لوگ لنچ کر لیں۔‘‘

زبیدہ نے گویا روٹھ کر جاتے ہوئے کہا۔ ’’جی نہیں سب بھوکے بیٹھے رہیں گے آپ کے انتظار میں، خواہ کھانا ٹھنڈا ہی کیوں نہ ہو

جائے۔‘‘

زبیدہ تو چلی گئی مگر خالد کو جلا کر کوئلہ کر گئی۔ ابھی جس لطیفے نے اس کو مدت کے بعد ہنسایا تھا اس لطیفہ کا اثر بھی ختم ہو کر رہ گیا بلکہ اگر اس وقت وہ صاحب جن سے خالد ابھی نہایت شگفتگی کے ساتھ الجھا تھا آ جاتے تو صورت حال نہایت ناگوار ہو جاتی۔ شکر ہے کہ تھوڑی دیر میں خالد کا اسسٹنٹ مریض لڑکے کو لے کر آ گیا اور خالد اس سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا ورنہ زبیدہ کی ان جلی کٹی باتوں نے اس کو بے حد رنجیدہ کر دیا تھا۔

زبیدہ ایک زخم خوردہ ناگن کی طرح اس کمرے میں پہنچی جہاں کھانے کی میز پر سب ڈاکٹر خالد کے منتظر تھے اور وہاں پہنچتے ہی وہ تو جیسے برس ہی پڑی گل رخ پر جا کر۔

’’خواہ مخواہ ذلیل کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ میں خوب جانتی ہوں جو مصلحت ہے اس میں مجھے کسی اور پر نہیں اگر تعجب ہے تو نعیم بھائی پر ہے کہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں سب کچھ جانتے ہیں اور کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔‘‘

خالد کی والدہ نے کہا۔ ’’مگر کچھ پتہ تو چلے کہ ہوا کیا۔ کیا کچھ کہہ دیا خالد نے؟‘‘

زبیدہ نے اسی شعلہ بار انداز سے کہا۔ ’’کہتے کیا؟ وہ ان کے کہنے سے ہزار کام چھوڑ کر آ جاتے تھے مجھ کو دیکھتے ہی ایک تو پھول سوج کر رہ جاتے ہیں، ابھی میں گئی ہوں تو اچھے خاصے بیٹھے مسکرا رہے تھے مجھے دیکھتے ہی منہ پھلا لیا اور کہنے لگے کہ مریض کو وقت دے چکا ہوں تم لوگ کھانا کھا لو۔‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’ہاں ہاں تو مریض کو وقت دے چکے ہوں گے اس میں آخر اس قدر آگ بگولہ ہونے کی کون سی بات ہے؟‘‘

خالد کی والدہ نے کہا۔ ’’پھر یہ کہ اس میں گل رخ غریب کا کیا قصور ہے؟‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’کچھ بھی نہیں، میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ہو ہی گئی ہے بے حد نازک مزاج۔‘‘

زبیدہ نے کمرے سے جاتے ہوئے کہا۔ ’’آپ لوگ چاہتے ہیں کہ میں بے حس ہو کر رہ جاؤں۔ مجھ کو مسلسل ٹھکرایا جائے اور میں محسوس بھی نہ کروں مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا۔‘‘

اتنی زیادہ مشتعل تو زبیدہ کبھی نہ ہوتی تھی وہ اپنے اس غصے سے اس وقت سب ہی کو حیران کر گئی۔ مگر اس کے جاتے ہی گل رخ نہایت خاموشی سے اٹھ کر جانے لگی تو ڈاکٹر خالد کی والدہ نے کہا۔ ’’اب تم کہاں چلیں؟‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’آنٹی میں اس بیوقوف لڑکی کو سمجھانے جا رہی ہوں۔‘‘ اور یہ کہتی ہوئی وہ سیدھی زبیدہ کے کمرے میں پہنچی جہاں زبیدہ تکیوں میں منہ دیئے رو رہی تھی۔ گل رخ نے نہایت محبت سے کہا۔ ’’میری پگلی بہن خدا کے لیے صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرو۔‘‘

زبیدہ نے اپنی اشک آلود سرخ سرخ آنکھوں سے گل رخ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”بغیر کوشش کئے میں سب کچھ سمجھ چکی ہوں اور اب میں ہرگز اس کے لیے تیار نہیں ہوں کہ اس وحشی انسان سے توجہ کی بھیک مانگوں۔ مجھے نفرت ہے اس شخص سے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”تم کو نفرت نہیں ہے بلکہ تم اپنے کو محبت جیتنے میں ناکام سمجھنے لگی ہو۔“

زبیدہ نے تیز آواز میں کہا۔ ”ہرگز نہیں میں کسی کی محبت جیتنا نہیں چاہتی۔ میں اسی دن سے اس شخص سے متنفر ہو چکی ہوں جب سے میں نے اس کی زبان سے اپنے متعلق جو اس کی اصل رائے ہے وہ سنی ہے۔“

گل رخ نے کہا۔ ”تم ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ یہ بات بھی تم کو اسی لیے تو بری لگی ہے کہ۔۔۔۔“

زبیدہ نے اس کو بات نہ کرنے دی۔ ”میں کچھ سننا نہیں چاہتی اور میں تم دونوں کے درمیان آنا نہیں چاہتی اگر نعیم بھائی یہاں سے نہیں جاتے تو میں چلی جاؤں گی۔“

گل رخ نے کہا۔ ”اس سے بہتر یہ ہے کہ میں چلی جاؤں اس لیے کہ یہ سب کچھ میری ہی وجہ سے ہو رہا ہے۔“

زبیدہ نے جلی کٹی سنانے کے انداز سے کہا۔ ”میں کسی سے کیوں کہوں کہ وہ جائے، میرا کیا اختیار ہے اس گھر پر۔“

گل رخ نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔ ”اچھا اب تم اٹھو، ہاتھ منہ دھو ڈالو میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ اس گھر میں میرا آج کا دن آخری ہے۔ اٹھو نہ میری بہن میں تم کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں اب صرف یہ چاہتی ہوں کہ میری وجہ سے جس خالد کو تم ہار چکی ہو اس کو تم جیت لو۔“

زبیدہ نے اپنے کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ”مجھ کو تم سے نہ کوئی شکایت ہے نہ میں تمہارا قصور سمجھتی ہوں البتہ خالد کے لیے میرے دل میں ایک نفرت بیٹھ چکی ہے اور میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ میں اس مغرور انسان کو اب ہرگز جیتنا نہیں چاہتی۔“

گل رخ نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”اپنے وقتی اشتعال میں ایسی باتیں زبان سے نہ نکالو میرے جانے کے بعد تمام حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ بس اب چلو ناگواری کو طول دے کر سارے گھر میں تلخی پیدا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔“

اس وقت تو زبیدہ نے کچھ نہ کہا۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر گل رخ کے ساتھ کھانے کے میز پر پہنچ گئی۔ جہاں ایک سناٹے کے عالم میں سب نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ خالد بھی اس عرصہ میں آ چکا تھا اور وہ بھی سر جھکائے نہایت خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا کہ خالد کی والدہ نے نہایت بے موقع بات چھیڑ دی۔

”خالد میاں، تم نے اس وقت زبیدہ کو کیوں رنجیدہ کیا ہے؟“

خالد جو نوالہ اٹھا چکا تھا وہ ہاتھ کا ہاتھ ہی میں رہ گیا اس نے حیرت سے کہا۔ ”میں نے رنجیدہ کیا ہے؟ آخر کس بات سے؟ مجھے تو یاد نہیں

ایسی کوئی بات۔ آپ ہی ان سے دریافت کیجئے، کیا کہا تھا میں نے یا کیا گستاخی سرزد ہوئی ہے مجھ سے؟ البتہ اگر کسی کو خود ہی جلنے بھننے کا شوق ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ پوچھئے نا ان سے کہ میں نے کیا کہا ہے؟‘‘

خالد کی والدہ نے کہا۔ ’’میں تو جب پوچھوں کہ تم نہ پوچھ سکتے ہو۔‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’کچھ بھی نہیں خالد بھائی تم کھانا کھاؤ، یہ بات میں ان سے پوچھوں گا۔‘‘

خالد کی والدہ نے کہا۔ ’’ظاہر ہے کہ اس کی ایسی ہی دل آزاری ہوئی ہے کہ آج وہ میرے سامنے بھی اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکی میں نے تو کبھی یہ تصور بھی نہ کیا تھا کہ زبیدہ بھی غصہ کر سکتی ہے اور اتنا غصہ‘‘

خالد نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ’’مگر کس بات پر کیا ہے غصہ، یہ تو معلوم ہو۔ انہوں نے مجھ سے جا کر کہا کہ کھانا لگا دیا گیا ہے۔ میں ایک لڑکے کا معائنہ کرنے کو کمرے میں بلا چکا تھا لہٰذا میں نے کہا، دیر میں آؤں گا آپ لوگ کھا لیجئے کھانا۔‘‘

خالد کی والدہ نے کہا۔ ’’اچھا خیر، تم کھانا کھاؤ۔ بعد میں ہوں گی یہ باتیں۔‘‘

خالد نے ہاتھ کا نوالہ کھا کر پانی پیتے ہوئے کہا۔ ’’کھانا تو میں کھا ہی چکا ہوں مگر میں تو خود چاہتا ہوں کہ یہ بات ذرا صفائی اور وضاحت سے ہو جائے اس لیے کہ اگر مجھ کو اس قسم کے چھوٹے چھوٹے گھریلو جھگڑوں میں مبتلا رکھا گیا تو میں حاضر دماغی سے وہ کام نہیں کر سکتا جو میں نے پھیلا رکھا ہے۔‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’آپ بھی کمال کرتے ہیں ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ احمقانہ بچپن کے سوا اور دھرا ہی کیا ہے ان باتوں میں؟‘‘

خالد نے کہا۔ ’’جی نہیں، یہ احمقانہ بچپن نہیں ہے بلکہ نہایت بالغ حماقت ہے میں اس سلسلے میں آپ سے بات کروں گا نعیم بھائی!‘‘ اور یہ کہتا ہوا وہ میز سے اٹھ گیا تو نعیم نے خالد کی والدہ سے کہا۔

’’آنٹی آپ نے بے کار اس وقت یہ ذکر چھیڑا ہے ان سے کھانا بھی نہ کھایا گیا۔‘‘

خالد کی والدہ نے کہا۔ ’’میں جانتی ہوں کہ اس سے کھانا نہیں کھایا گیا مگر تم کو کیا معلوم کہ ان صاحبزادی کے طرز عمل سے خود مجھے کس قدر دکھ پہنچا ہے۔ یہ بھول گئی ہیں کہ میری حیثیت ان کے لیے خالہ کی نہیں بلکہ ماں کی ہے۔‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’آنٹی یہ آپ مجھے اطلاع دے رہی ہیں؟‘‘

وہ کچھ اور کہنا ہی چاہتا تھا کہ خالد نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ ’’نعیم بھائی، ذرا آپ میرے پاس آ جائیے۔‘‘

نعیم بھی اٹھ کر ہاتھ دھونے کے بعد سیدھا اسپتال کے باغیچہ میں پہنچ گیا جہاں ڈاکٹر خالد اسی حوض کے کنارہ ٹہل رہا تھا جہاں یہ آتش

فشاں ابلا تھا کہ خالد نے گل رخ سے جو باتیں کی تھیں وہ زبیدہ نے سن لی تھیں۔ خالد نے نعیم کو دیکھتے ہی کہا۔

”نعیم بھائی! آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے دل کی بات آپ کے علاوہ کسی سے نہیں کہہ سکتا اس لیے کہ میری بات آپ سے زیادہ اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔“

نعیم نے اس ناگواری کو خوشگوار بنانے کے لیے کہا۔ ”بات یہ ہے کہ ”ولی را ولی می شناسد“ اور دوسری بات یہ ہے کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ دراصل اس قصہ میں زبیدہ کا بھی سوائے اس کے اور کوئی قصور نہیں ہے کہ وہ ہمارے خاندان کی روایتی لڑکیوں کی طرح احمق ہے۔ اس کو بچپن سے ایک نہایت لغو بات سمجھا دی گئی تھی جواب اس کو ناممکن نظر آ رہی ہے۔“

خالد نے کہا۔ ”آپ کا قطع کلام مگر قصور میرا بھی ہے۔“

نعیم نے کہا۔ ”جی ہاں وہ قصور کچھ اس قسم کا ہے کہ

”آنکھوں کا تھا قصور چھری دل پہ چل گئی“

خالد نے چلبلا کر کہا۔ ”استغفراللہ‘ کسی وقت تو سنجیدہ ہو جایا کرو۔“

نعیم نے کہا۔ ”سنجیدہ معاملات میں جتنا چاہو مجھے سنجیدہ بنا لو مگر یہ سنجیدہ بات ہی نہیں ہے۔ بھئی تمہارا یہ وہم بھی نہایت احمقانہ تھا کہ تم مجھ کو صرف زبیدہ کا بھائی سمجھ رہے تھے حالانکہ میں تمہارا عزیز ہونے کے علاوہ دوست بھی ہوں اور اگر میں صرف زبیدہ کا بھائی بھی ہوتا تو اس بات سے بے حد خوش ہوتا کہ تم زبیدہ کو زندگی بھر کا دھوکہ دینا نہیں چاہتے بلکہ اس کے سامنے بے نقاب ہو گئے ہو۔“

خالد نے کہا۔ ”کمال کرتے ہیں آپ بھی نعیم بھائی جو کچھ مجھ کو کہنا چاہیے تھا وہ آپ کہہ رہے ہیں۔“

نعیم نے کہا۔ ”میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مجھے تو یہ بات اس وقت سے معلوم ہے جب تمہاری اور گل رخ کی نگاہوں میں یہ بات ہو تو ہو اظہار میں نہ آئی تھی اور یہ بھی معلوم ہے کہ آج کل گل رخ کس دیوانگی میں مبتلا ہیں میں اس کو نہ ایثار کہتا ہوں نہ خلوص‘ میری اصطلاح میں اس کو صرف دیوانگی کہتے ہیں۔“

خالد نے کہا۔ ”میں گل رخ کے کردار کو سمجھنے سے قاصر ہوں اس کی اسی کوشش نے صورت حال کو خراب کر رکھا ہے کہ وہ زبیدہ کو زبردستی مجھ سے قریب کرنا چاہتی ہے۔“

نعیم نے گویا بڑی بیگانگی سے کہا۔ ”خیر آپ جانیں آپ کی گل رخ جانیں اور بی بی زبیدہ جانیں‘ ہم تو سب ہی کے نیاز مند ہیں۔“

نرس نے آ کر بتایا کہ پولیس والے ایک بڈھے کو پکڑ کر لائے ہیں لہٰذا خالد نرس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

ڈاکٹر خالد نے اپنے مطب میں آ کر دیکھا کہ ایک سب انسپکٹر اور ایک نوجوان تو نہایت اطمینان سے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے مگر ایک معمر بزرگ ہیں جو کسی انجن کے شنٹنگ کرنے کے انداز سے ٹہل رہے ہیں اور خود بخود زیر لب کچھ بدبدائے جاتے ہیں۔ جس وقت خالد ان کے پاس پہنچا اس نے ایک ہی نظر میں پہچان لیا کہ یہی بڑے میاں جو اپنی دھن میں ٹہل رہے ہیں دراصل مریض ہیں جو اس وقت اپنا بٹوہ کھولے اپنی چٹکی میں کچھ نکال نکال کر منہ میں ڈال رہے ہیں۔ خالد کے کمرے میں پہنچتے ہی سب انسپکٹر اور وہ نوجوان دونوں کھڑے ہو گئے اور ان بڑے میاں نے بھی اپنی عینک کا زاویہ درست کرتے ہوئے نہایت قرات سے کہا۔

"السلام علیکم!"

خالد نے ان کو جواب دینا ضروری نہ سمجھ کر سب انسپکٹر سے پوچھا۔ "یہی بزرگ مریض ہیں؟"

بڑے میاں نے یہ سنتے ہی ایک دم بھڑک کر کہا۔ "مریض؟ یعنی پاگل؟ گویا میں آپ کو پاگل نظر آ رہا ہوں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ جناب ہی ڈاکٹر خالد ماہر امراض دماغ ہیں؟"

خالد نے بڑی انکساری سے کہا۔ "جی ہاں اس خاکسار کو ڈاکٹر خالد کہتے ہیں۔"

بڑے میاں نے کہا۔ "بڑی مسرت ہوئی آپ سے نیاز حاصل کر کے دراصل ہم تینوں میں سے کوئی بھی آپ کا مریض نہیں ہے بلکہ ہماری حاضری کا مقصد یہ ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔ ارے بھئی ارجمند میاں تم بیان کرو۔"

ارجمند نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ڈاکٹر صاحب ہم لوگوں کو دراصل ایک مفقود الخبر خاتون۔۔۔۔۔۔"

بڑے میاں نے بات کاٹ دی۔ "میاں آسان زبان بولو وہ نہایت مصروف آدمی ہیں ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ تمہاری بات کا پہلے سلیس اردو میں ترجمہ کریں اس کے بعد بات کو سمجھیں پھر تم کو جواب دیں۔ ڈاکٹر صاحب ان کا مطلب ہے کہ ایک لاپتہ صاحبزادی جس کو یہ مفقود الخبر خاتون کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ ہاں آگے بیان کرو۔"

ارجمند نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب ہم لوگوں کو ایک لاپتہ لڑکی کا پتہ چلانا ہے اور چونکہ آپ دماغی امراض کے ماہر ہیں، لہٰذا خیال آیا کہ ممکن ہے کسی نے اس نوجوان لڑکی کو آپ کے اسپتال میں داخل کر دیا ہو اس لیے اس کے دماغ میں بھی خلل ہے۔"

بڑے میاں پھر بول اٹھے۔ "خلل تو ہے مگر وہ اس قسم کا خلل ہے کہ باوجود ماہر امراض ہونے کے شاید آپ بھی اس کو پاگل میرا مطلب یہ کہ پگلی کہہ سکیں۔"

ڈاکٹر خالد نے گھبرا کر جلدی سے کہہ دیا۔ "جی نہیں، میرے نرسنگ ہوم میں یا میرے زیر علاج اس قسم کی کوئی خاتون بھی نہیں ہیں۔"

بڑے میاں نے کہا۔ "یعنی کس قسم کی؟ ابھی آپ کو وضاحت سے یعنی تشریح اور تفصیل کے ساتھ یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ وہ کس قسم کی پگلی

ہے اور آپ نے بغیر کچھ سنے کہہ دیا کہ اس قسم کی کوئی خاتون نہیں ہیں۔ ‘‘

خالد نے کہا۔ ’’حضور والا! میں نے اس لیے عرض کر دیا کہ میرے زیر علاج آج کل کوئی خاتون ہی نہیں ہیں لہذا کسی قسم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ‘‘

بڑے میاں نے بٹوے کو کریدتے ہوئے کہا۔ ’’اچھا یعنی سمجھ گیا کہ آپ کے زیر علاج کوئی خاتون نہیں ہیں۔ یہی میرا بھی خیال تھا اور میں ان حضرات سے پہلے ہی عرض کر چکا تھا کہ علاج اس کا ہوتا ہے اور ڈاکٹر کے پاس وہ لایا جاتا ہے جو کسی مرض میں مبتلا نظر آئے مگر چونکہ وہ لڑکی بظاہر نہایت صحیح الدماغ نظر آتی ہے لہذا اس پر کسی کو یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ خدا نا خواستہ۔۔۔۔۔۔ مگر خدا نا خواستہ کا یہاں کیا موقع ہے۔ ‘‘

سب انسپکٹر نے ڈاکٹر خالد سے کہا۔ ’’ہم لوگ اس عجیب و غریب لڑکی کے لیے نہ جانے کب سے سرگرداں ہیں۔ یہ حضرات پولیس میں رپورٹ میں لکھوا چکے ہیں اور مجھے ذاتی طور پر بھی اس لڑکی کا پتہ چلانے میں دلچسپی ہے لہذا۔۔۔۔۔۔ ‘‘

وہ بڑے میاں پھر بھڑک کے۔ ’’ذاتی طور پر دلچسپی ہے؟ وہ بھلا کیوں؟ یعنی مجھے یہ جستجو اس لیے ہے کہ وہ میری لڑکی ہے ان صاحبزادے کو اس لیے یہ دھن سوار ہے کہ ان سے اس کی شادی ہو سکتی ہے مگر جناب کو دلچسپی اور ذاتی طور پر دلچسپی کیوں ہے؟ ‘‘

ڈاکٹر خالد کو بھی اس سوال پر ہنسی آ گئی اور اس نے نہایت تپاک سے کہا۔ ’’آپ تشریف رکھئے نا محترم! آپ کا یہ سوال میرے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ سب انسپکٹر صاحب آپ کو اس کا جواب دینا ہی پڑے گا۔ ‘‘

سب انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ’’وہی مطلب کہ

بات پر واں زبان کٹتی ہے‘‘

بڑے میاں نے کہا۔ ’’وہی مطلب آپ نے گویا وہی مثل کے طور پر فرمایا ہے۔ خیر میں زبان کی اصلاح کرنے سے زیادہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو ذاتی دلچسپی کیوں ہے؟ ‘‘

سب انسپکٹر نے کہا۔ ’’صاحب ذاتی دلچسپی یوں ہے کہ میں اس پاگل لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہوں جو دیکھنے میں پاگل معلوم نہیں ہوتی اور اس لڑکی کے متعلق جو حالات آپ دونوں نے بتائے ہیں وہ بجائے خود اتنے دلچسپ ہیں کہ مجھے اس لڑکی کو دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب یہ بزرگ محترم جناب حکیم صاحب اس غیر شادی شدہ لڑکی کے والد محترم ہیں اور یہ صاحب یعنی مسٹر ارجمند وہ ایک نوجوان ہیں جن سے یہ لڑکی شادی کرنا چاہتی تھی۔ ‘‘

بڑے میاں نے ایک جھٹکے کے ساتھ کہا۔ ’’غلط صریحاً غلط۔ شادی کرنا نہ چاہتی تھی بلکہ یہ اس سے شادی کرنا چاہتے تھے اور اس کو بھی

اس معاملے میں اپنا ہم خیال بنالیا تھا۔ ورنہ میری لڑکی اس قسم کی بے حیا ہرگز نہیں ہوسکتی کہ وہ کسی سے شادی کرنا چاہے۔“

خالد نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”درست فرماتے ہیں آپ۔ ہاں‘ تو سب انسپکٹر صاحب! پھر کیا ہوا؟“

سب انسپکٹر نے بیان جاری رکھا۔ ”ہمارے حکیم صاحب قبلہ بوجوہ اس نسبت کی تائید میں نہ تھے بلکہ کسی اور ہی سے شادی کرنے کے درپے تھے۔ اس نے بے حد کوشش کی‘ سخت احتجاج کیا مگر حکیم صاحب قبلہ پرانی وضع کے بزرگ ہیں آپ کو کچھ ضد سی ہوگئی تھی۔“

بڑے میاں نے کہا۔ ”پھر وہی ضد‘ حضور والا یہ ضد ہرگز نہ تھی۔ بلکہ میرے لیے یہ مرجانے کا مقام تھا کہ جہاں میں چاہوں وہاں میری لڑکی شادی نہ کرے اور جہاں وہ چاہے وہاں میں اس کی شادی کردوں۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ ادھر کی دنیا ادھر ہوجائے مگر شادی اس کی وہیں ہوگی جہاں میں چاہتا ہوں۔“

سب انسپکٹر نے کہا۔ ”اچھا ضد نہ سہی بلکہ وہی سہی جو آپ فرمارہے ہیں تو صاحب نتیجہ اس کشمکش کا یہ ہوا کہ اس لڑکی کے دماغ پر شدید اثر ہوگیا اور وہ گھر سے غائب ہوگئی۔ مگر بجائے ارجمند صاحب کے یہاں جانے کے وہ اپنی دھن میں نہ جانے کدھر نکل گئی اب وہ یہ کرتی تھی کہ جو کوئی بھی اس کو مل جاتا تھا اسی کو اپنی باتوں سے موہ لیتی تھی اور کہتی تھی کہ بس آپ ہی میرے ہم خیال اور ہم مذاق ہیں مجھے جس شخصیت کی تلاش تھی وہ آپ ہی ہیں۔ مگر ان حضرات نے اس کو ڈھونڈ نکالا۔“

بڑے میاں نے ٹوکا۔ ”حضرات غلط‘ حضرت کہیے۔ میں نے ان صاحبزادے کو صرف اس مرتبہ اپنے ساتھ لیا ہے اور اب میں اس لڑکی کے ہاتھوں عاجز آکر اس بات پر تیار ہوا ہوں کہ اگر وہ انہی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے تو کرے شادی اور جائے جہنم میں میری طرف سے۔“

خالد نے کہا۔ ”مگر میرا خیال ہے کہ صرف اتنی ہی بات نہ ہوئی ہوگی بلکہ اس لڑکی کو شدید ذہنی کوفت میں مبتلا کیا گیا ہوگا۔ جس نے رفتہ رفتہ اس کا دماغی توازن کھودیا۔“

ارجمند نے کہا۔ ”جی ہاں‘ یہ درست ہے۔ ایک تو اس کی مرضی کے خلاف ایسی جگہ اس کی شادی ٹھہرائی جارہی تھی جہاں شادی کرنے سے مرجانا اس کو گوارا تھا۔ دوسرے دن رات کے طعن تشنیع سے اس کی زندگی عذاب کردی گئی تھی۔ وہ کھانا پینا چھوڑ چکی تھی۔ مہینوں اس کو نیند نہیں آئی۔ وہ ہر وقت ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا رہتی تھی اور ان حالات نے اس کو ایسا بیمار کرڈالا کہ۔۔۔۔“

”ایک مرتبہ شدید بخار میں سرسامی کیفیت جو طاری ہوئی تو بخار اترنے کے بعد ہی وہ یکسر بدل چکی تھی۔ اب وہ افسردہ رہنے کے بجائے ہنستی تھی‘ خاموش رہنے کے بجائے باتیں کرتی تھی۔ خود حکیم صاحب قبلہ سے اپنی ہی شادی کے متعلق بے جھجک باتیں کرنے لگی تھی۔ اب اس میں نہ وہ شرم تھی کہ باپ کے سامنے زبان نہ کھولے نہ وہ جھجک تھی کہ اپنی شادی کے متعلق اظہار خیال نہ کرے۔ اسی عالم میں وہ کئی

مرتبہ گم ہوئی اور مل گئی۔ مگر اب جو گم ہوئی ہے تو اب تک اس کا پتہ نہیں چلا ہے۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ اس نے کسی کو ہمیشہ کی طرح یہ یقین دلا دیا ہے کہ مجھ کو تمہاری ہی جستجو تھی اور تم ہی دنیا میں واحد انسان ہو جو میرے ہم خیال اور ہم مذاق مجھ کو ملے ہو۔“

ڈاکٹر خالد نے کہا۔ ”میں اب بالکل سمجھ گیا ہوں کاش وہ لڑکی میرے پاس آ جاتی اور میں اس عجیب وغریب پاگل لڑکی کا علاج کر سکتا۔“

سب انسپکٹر نے کہا۔ ”ممکن ہے آئندہ کبھی وہ لڑکی آپ کے پاس آ جائے تو آپ ہم لوگوں کا پتہ نوٹ کر لیجئے تاکہ آپ ہم کو مطلع کر سکیں۔“

یہ کہہ کر سب انسپکٹر نے خود ہی ایک کاغذ پر حکیم صاحب کا اور خود اپنا پتہ لکھ کر ڈاکٹر خالد کی میز پر رکھ دیا۔ مگر قبل اس کے وہ ڈاکٹر سے رخصت ہوں۔ اندر سے نعیم صاحب گھبرائے ہوئے آئے اور ان لوگوں کی موجودگی کا خیال کئے بغیر ڈاکٹر سے پوچھا۔

”گل رخ آپ کے پاس تو نہیں آئی۔ اس کا کمرہ خالی ہے کمرے کا تمام سامان من وعن موجود ہے۔ صرف اس کا اٹیچی نہیں ہے اور میز پر زبیدہ کے نام ایک پرچا اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ملا ہے کہ میں حسب وعدہ جا رہی ہوں اور دعا گو ہوں کہ تم کو خالد از سر نو مل جائیں۔“

خالد نے ایک دم کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”مگر ابھی تو میں اس کو گھر میں چھوڑ کر آیا ہوں۔“

نعیم نے کہا۔ ”جی ہاں، مگر اب زبیدہ نے بتایا ہے کہ وہ کہہ چکی تھی کہ میرا اس گھر میں یہ آخری دن ہے۔“

خالد نے کہا۔ ”وہ اتنی جلدی کہاں جا سکتی ہے ہم کو جلدی کرنا چاہیے۔ موٹر نکلوایئے، وہ زیادہ سے زیادہ اسٹیشن تک پہنچی ہو گی۔ افسوس کہ زبیدہ کی ناسمجھی نے اسے ہاتھ سے گنوا دیا۔ نعیم بھائی دیر نہ کیجئے موٹر نکلوایئے۔“

سب انسپکٹر نے کہا۔ ”میری جیپ موجود ہے، ممکن ہے کہ ہم سب کو ایک ہی شخصیت کی تلاش ہو۔ اس لڑکی کا نام بھی گل رخ ہی ہے ڈاکٹر صاحب۔“

ڈاکٹر نے سب انسپکٹر کی صرف یہ بات سنی کہ جیپ موجود ہے اور وہ ان ہی سب کے ساتھ جیپ پر اسٹیشن روانہ ہو گیا۔

گل رخ کی تلاش میں ان سب کو آج تیسرا دن ہے ایک اسٹیشن کیا شہر کا چپہ چپہ چھان مارا ہے۔ صرف خالد ہی نہیں بلکہ نعیم بھی دیوانہ وار ہر طرف اس کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ خالد کے ہمراہ سب انسپکٹر ارجمند اور حکیم صاحب ہیں۔ نعیم کے قبضہ میں خالد کی کار ہے جس پر کبھی وہ تنہا ڈھونڈنے نکلتا ہے کبھی زبیدہ اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ اسپتال اور نرسنگ ہوم کو خالد کے اسسٹنٹوں نے سنبھال رکھا ہے۔

خالد کی والدہ پر گل رک نے اتنے ہی دنوں میں نہ جانے کیا جادو کر دیا تھا کہ وہ تب سے اور کھانا پینا حرام کئے ہوئے ہیں اور رہ رہ کر یہی کہتی ہیں کہ زبیدہ کی ناسمجھی نے اس غریب سے یہ گھر چھوڑا دیا اب نہ جانے وہ کہاں ہوگی اور اگر وہ نہ ملی تو خالد کا تو خدا ہی حافظ ہے۔ نعیم تو زبیدہ کی کافی خبر لے چکا ہوتا مگر وہ دیکھ رہا تھا کہ زبیدہ خود بے حد مشتعل بھی ہے اور پریشان بھی بلکہ اگر کبھی نعیم اس تلاش سے تھک کر واپس بھی آنا چاہتا تھا اور زبیدہ ساتھ ہوتی تھی تو وہ اس کو ایک آدھ جگہ اور لے جاتی تھی۔ یہ لوگ تو روزانہ ڈھونڈھ ڈھانڈ کر شام کو واپس بھی آ جاتے تھے مگر خالد تو جس دن سے گیا تھا واپس ہی نہ آیا تھا اور اب خالد کی والدہ کو گل رخ کے علاوہ خود اس کی بھی فکر تھی کہ نہ جانے وہ گل رخ کو ڈھونڈتا کہاں نکل گیا اور اس کے نہ ملنے کی صورت میں اللہ جانے وہ کیا کر گزرے بلکہ آج تو نعیم سے بھی ضد کر رہی تھی کہ میں بھی اس کی تلاش میں تمہارے ساتھ چلوں گی اور شاید نعیم کو لے جانا ہی پڑتا ان کو کہ کئی دن کی تگ و دو کے بعد تھکے ہارے یہ سب کے سب ناکام واپس آ گئے۔ خالد نے جو اس عرصے میں اپنے چہرے پر کافی وحشت برسا چکا تھا۔ نعیم سے صرف یہ کہا کہ ان صاحبان کے قیام اور آرام کا بندوبست کر دیجئے اور خود نہایت بجھے ہوئے انداز کے ساتھ اپنے مطب میں جا کر اس بیڈ پر تھکن سے چور گر پڑا جس پر وہ مریضوں کو لٹا کر دیکھتا تھا۔ خالد کی والدہ نے جب اس کے آنے کی خبر سنی تو وہ خود ہی مطب میں آ گئیں اور ممتا کے جوش میں اس کا سر سہلا کر نہ جانے کیا کہنا چاہتی تھیں مگر کہا یہ کہ

”بیٹا میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ وہ ضرور مل جائے گی' تم ذرا ہمت اور حوصلے سے کام لو۔“

خالد نے بجھے ہوئے انداز سے کہا۔ ”اگر وہ مل بھی گئی تو کیا ہوگا اس گھر میں جو اس کی قدر افزائی ہوئی ہے کیا اس کے بعد بھی میں اس سے اس گھر میں آنے کے لیے کہہ سکوں گا۔“

خالد کی والدہ نے کہا۔ ”تم نہ کہنا' میں کہوں گی اور میں جانتی ہوں کہ وہ سب کچھ کر سکتی ہے مگر میرا کہنا نہیں ٹال سکتی ایک ناسمجھ اور بیوقوف لڑکی سے جو غلطی ہوئی ہے اس کی سزا وہ مجھے نہیں دے سکتی۔ اچھا اب تم اٹھو نہا دھو کر آدمیوں کی صورت بنو کچھ کھا پی لو تا کہ اس کو تلاش کرنے کی ہمت تم میں تازہ ہو سکے۔ اٹھو نا میں کیا کہہ رہی ہوں!“

خالد خاموشی کے ساتھ اٹھا اور اندر جا کر اس نے تین دن کا بڑھا ہوا شیو کیا' غسل کر کے کپڑے بدلے اور باہر آ گیا جہاں چائے پر سب اس کے منتظر تھے۔ یہ سب ہی نہا دھو کر تازہ دم ہو چکے تھے اور سب سے زیادہ بشاش حکیم صاحب نظر آ رہے تھے جو خالد کو دیکھتے ہی بولے۔

”ڈاکٹر صاحب میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پریشان صرف ہم لوگ ہیں جہاں تک ان صاحبزادی کا تعلق ہے وہ نہایت مطمئن ہوں گی اور اب کسی اور کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر رہی ہوں گی کہ وہی ایک ایسا انسان ہے جس کی ان کو جستجو تھی اور صرف وہی ان کو اپنا ہم خیال ملا

ہے اور چونکہ یہ باتیں وہ نہایت معقولیت سے کہہ رہی ہوں گی لہٰذا ان کے اس دماغی خلل کی طرف آپ کی طرح اس کا ذہن بھی منتقل نہ ہو سکے گا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ جیسا ماہر امراض دماغ اس کو صحیح الدماغ سمجھتا رہا تو کسی اور کیا ذکر؟"

خالد نے کہا۔ "حضور والا! پہلے یہ تو طے ہو جانے دیجئے کہ جن کو آپ تلاش کر رہے ہیں اور جن کی میں جستجو کر رہا ہوں وہ ایک ہی ہیں۔ مجھے اب تک یہ یقین ہے کہ نام کی یکسانیت سے آپ کو دھوکہ ہوا ہے ورنہ میں کیسے کہہ دوں کہ جس طرح گل رخ کو میں ڈھونڈ رہا ہوں وہ وہی آپ والی گل رخ ہے جس کا بقول آپ کے، دماغ درست نہیں ہے۔"

سب انسپکٹر نے ایک دم چونکتے ہوئے کہا۔ "لاحول ولاقوۃ خواہ مخواہ اتنے دن اس بات کو طول دیا گیا حالانکہ ارجمند صاحب کے پاس ان محترمہ کی تصویر بھی ہے۔ ارجمند صاحب وہ تصویر دکھایئے ڈاکٹر صاحب کو۔"

حکیم صاحب نے ارجمند کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھور کر کہا۔ "جواب نہیں ہے آپ کا بھی برخوردار پھر اگر میں آپ کو یتیم العقل کہوں گا تو برا مانیں گے اب مجھے بھی اس پریشانی میں خیال نہیں آیا کہ واقعی تصویر تو موجود ہے۔"

ارجمند نے اپنے پرس سے تصویر نکالتے ہوئے کہا۔ "پریشانی میں سب ہی کے ذہن سے یہ تصویر اتر گئی تھی۔"

جس وقت اس نے ڈاکٹر خالد کی طرف وہ تصویر بڑھائی ہے نعیم بھی اپنی کرسی چھوڑ کر اسی کے پاس آ گئے اور تصویر دیکھ کر دونوں بیک وقت گویا چیخ سے پڑے۔ "وہی تو ہے۔"

حکیم صاحب نے نہایت اطمینان سے ایک رس گلہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو یقین بلکہ یقین کامل تھا۔ وہ گل رخ سوائے گل رخ کے اور کوئی گل رخ نہیں ہو سکتی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ارجمند صاحب ذرا سمجھایئے میرا کیا مطلب ہے۔"

ارجمند نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب سمجھ گئے ہیں، جو کچھ آپ کا مطلب ہے۔"

خالد تصویر ہاتھ میں لیے غرق حیرت تھا اور نعیم کو بھی اس سے کم تعجب نہ تھا۔ آخر اس نے اس استعجاب سے چونکتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ سچ ہے کہ گل رخ دیوانی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم میں سے کوئی بھی صحیح الدماغ نہیں ہے۔"

نعیم نے کہا۔ "ایک بات بھی تو دیوانگی کی نہیں تھی۔ نہایت ذہین، نہایت طباع اور نہایت نکتہ سنج ثابت ہوئی ہیں وہ تو یہاں۔"

خالد نے کہا۔ "سوائے اس کے اب جو میں شروع سے آخر تک یعنی اس وقت سے جب اچانک وہ میری شریک سفر بنی اور اس وقت تک جب تک وہ یہاں سے گئی ہیں ان تمام حالات پر غور کرتا ہوں تو یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ وہ ایک عجیب وغریب مزاج کی خاتون تو ضرور تھیں مگر ان کے مزاج کی اس کیفیت کو دیوانگی سمجھنا میری سمجھ میں اب تک نہیں آ رہا ہے۔"

حکیم صاحب نے تعجب سے کہا۔ "یعنی میرے کہنے کے بعد بھی۔ حالانکہ اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ میں گل رخ کا باپ ہوں اور اپنی

بیٹی کو آپ سب سے زیادہ میں خود سمجھتا ہوں۔"

خالد نے کہا۔" آپ فرما رہے ہیں تو درست ہی ہوگی یہ بات مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ تو پاگل ہیں مگر میں تو پاگل نہیں ہوں جو ان کے لیے جذبات کی رو میں اس حدتک آگے بڑھ گیا ہوں کہ اب میں اپنے آپ کو واپس لانا چاہوں تو ہرگز نہ لا سکوں گا۔"

حکیم صاحب نے نہایت مدبرانہ تیوریوں سے کہا۔" اس بات کا تعلق مجھ سے زیادہ ان صاحبزادے یعنی ارجمند میاں سلمہ سے ہے جو خود بھی جذبات کی رو میں اس حدتک بڑھ چکے ہیں کہ خود تو احمق ہی رہے اس غریب کو پاگل کر دیا۔"

خالد نے کہا۔" اب میرے دل میں ایک عجیب امنگ پیدا ہو رہی ہے کہ وہ ایک مرتبہ مل جائے اور میں اپنے فن کے تمام کمالات اس کے علاج پر صرف کروں۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ میں نے دماغی امراض کے معالجہ کو اپنا مخصوص فن شاید اسی کے لیے بنایا تھا۔"

حکیم صاحب نے کہا۔

" اور میں بھی بحیثیت ایک طبیب کے جو طبیب ہونے کے علاوہ مریضہ کا والد بھی ہے یہ کہتا ہوں کہ اگر وہ مل گئی تو آپ کو یا مجھے کسی کو اس کے علاج کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ وہ ان برخوردار کو دیکھتے ہی اور یہ فیصلہ سنتے ہی کہ میں اس سے اس کی شادی کرنے پر رضامند ہو گیا ہوں، بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔"

خالد نے کہا۔" خدا کرے ایسا ہی ہو۔ اب میں اس کی دماغی صحت کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا اور اب مجھ کو اس کی جستجو اس لیے اور بھی ہوگی کہ میں اس کا علاج کر کے خود اپنے فن کی آزمائش کر سکوں۔"

حکیم صاحب نے کہا۔" پھر وہی میں عرض کر رہا ہوں کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے گی میں بھی آخر طبیب ہوں اور مریضہ اتفاق سے میری دختر بھی ہے جس کا میں بخوبی اندازہ کر چکا ہوں اور میری قطعی رائے یہ ہے کہ اب کی بار اگر وہ مل گئی تو اس کے مرض کا بس یہی علاج کافی ہوگا کہ میں اس سے کہہ دوں گا کہ میں ارجمند سے تمہاری شادی کرنے پر تیار ہوں۔ پھر یہ صاحبزادے جانیں اور وہ سرکش لڑکی جانے۔"

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

" یہ حضرت بھی کچھ کم پاگل نہیں ہی اور بحیثیت ایک طبیب کے میری رائے ان کے متعلق بھی یہی ہے کہ اگر ان کی کھوپڑی میں واقعی دماغ موجود ہے جس کی طرف سے مجھے شبہ ہے تو وہ دماغ نہایت ناقص قسم کا ہے۔"

اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور حکیم صاحب کا یہ خطبہ ختم ہو گیا۔ خالد نے ٹیلیفون لے کر سب انسپکٹر کو دے دیا کہ آپ کا ٹیلیفون ہے سب انسپکٹر نے ٹیلیفون پہ جو باتیں شروع کیں ان باتوں نے سب ہی کو ٹیلیفون کے گرد جمع کر دیا اس لیے کہ اس نے ٹیلیفون سنتے ہی کہا۔

”جی ہاں جی ہاں‘ بس تو ذرا اب نگرانی رکھیۓ ہم لوگ ابھی روانہ ہو کر پہنچتے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ وہاں سے بھی چل دیں۔ جی ہاں بس روانہ ہی ہو رہے ہیں۔“

اس نے ٹیلیفون رکھتے ہی کہا۔

”لیجئے صاحب مبارک ہو وہ مل گئی ہیں اور اس وقت جہانگیر کے مقبرہ میں ایک صاحب کے ساتھ پکنک فرما رہی ہیں۔“

یہ سنتے ہی سب اٹھ کھڑے ہوئے اور جس طرح بیٹھے تھے اس طرح کچھ سب انسپکٹر کی جیپ پر اور کچھ خالد کی گاڑی پر جہانگیر کے مقبرہ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں سب انسپکٹر کے ایک دوست دوسرے سب انسپکٹر صاحب باہر ہی ان کے منتظر تھے۔ یہ سب ان کے ساتھ ہی اندر پہنچے جہاں گل رخ ایک صاحب سے بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ خالد کو دیکھ کر اس نے نہ اپنے چہرے پر گھبراہٹ پیدا کی نہ وہ چونکی بلکہ اس طرح گویا کوئی بات ہی نہ ہو نہایت تپاک سے بولی۔ ”ارے خالد تم‘ ان سے ملو یہ میرے دوست مسٹر۔۔۔۔۔۔ مسٹر کیا نام بتایا تھا آپ نے؟“

ان صاحب نے کہا۔ ”میرا نام رضوان ہے۔“

گل رخ اس عرصے میں حکیم صاحب اور ارجمند کو بھی دیکھ چکی تھی مگر ان کی طرف قطعاً متوجہ نہ ہوئی تھی۔ آخر خالد نے اس سے گھر چلنے کو کہا تو وہ اس طرح آمادہ ہو گئی گویا اس کو کوئی عذر ہی نہ تھا بلکہ اس نے رضوان کو یہ کہہ کر حیران کر دیا۔ ”اچھا تو مسٹر رضوان پھر ہو گی آپ سے ملاقات۔ میں ڈاکٹر خالد کے یہاں آپ کو مل سکوں گی۔ خدا حافظ“

وہ حضرت منہ دیکھتے ہی رہ گئے اور گل رخ خالد کے ساتھ ہنستی بولتی‘ موسم کی خوشگواری اور اس جگہ کی دل فریبی کی باتیں کرتی ہوئی موٹر میں آ کر سوار ہو گئے۔ حکیم صاحب اور ارجمند حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے کہ اس نے ان دونوں کا نوٹس ہی نہیں لیا۔

ڈاکٹر خالد کے گھر میں آج کل حکیم صاحب اور ارجمند اس طرح مہمان تھے کہ ان پر مہمان ہونے کا شبہ بھی نہ ہوتا تھا۔ کچھ تو اس گھر کی معاشرت ہی ایسی تھی اور کچھ حکیم صاحب بے حد بے تکلف قسم کے آدمی واقع ہوئے تھے نتیجہ یہ کہ اس گھر کے افراد ہی میں شامل ہو کر رہ گئے تھے۔ گل رخ حکیم صاحب کو پہچان چکی تھی مگر ارجمند کو اس نے سخت مایوس کیا تھا کہ جیسے کبھی کی صاحب سلامت بھی نہ تھی۔ حکیم صاحب کو بھی اس نے جس حد تک پہچانا تھا اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ حکیم صاحب کو بڑی امید تھی کہ جب وہ گل رخ سے یہ کہیں گے کہ اب مجھ کو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے کہ تم ارجمند سے شادی کر لو تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس طرف سے مایوس ہو کر اس کے دماغ کو جو صدمہ پہنچا ہے وہ یکا یک دور ہو جائے گا مگر ہوا صرف یہ کہ حکیم صاحب نے نہ جانے کتنی تیاریوں کے بعد جب یہ بات گل رخ سے کہی تو وہ مارے ہنسی کے لوٹتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ حکیم صاحب اس کی اس کیفیت کو بھی وفور مسرت ہی سمجھے مگر اس نے باہر آ کر اپنی ہنسی پر بمشکل

قابو پانے کے بعد خالد سے کہا۔

’’سنا آپ نے خالد صاحب‘ میرے والد محترم نے میری شادی طے کر دی ہے اور یہ صاحب جو آپ کے پاس بیٹھے ہیں ان کو اپنی غلامی میں لینا قبول کیے بیٹھے ہیں گویا۔‘‘

خالد کے علاوہ نعیم اور ارجمند سب ابھی حیران ہی تھے کہ حکیم صاحب بھی تشریف لے آئے اور غالباً یہ بھول کر کہ گل رخ کس دماغی کیفیت میں مبتلا ہے اپنے والدانہ حقوق سے کام لیتے ہوئے بولے۔ ’’میں نے جو کچھ تم سے کہا ہے وہ میرا قطعی فیصلہ ہے۔ نہ میرا اور تمہارا کوئی مذاق کا رشتہ ہے نہ میں اپنی اولاد کا یہ گستاخانہ تمسخر برداشت کر سکتا ہوں۔‘‘

گل رخ نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔ ’’اور آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کا یہ تمسخر برداشت کر لوں کہ میری طرف سے جو نکاح آپ چاہیں قبول کر لیں اور میں اس پر مہر تصدیق ثبت کر دوں۔‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’مگر یہ نا معقول انتخاب میرا نہیں بلکہ خود تمہارا ہے جس پر اب میں بادل ناخواستہ آمادہ ہو گیا ہوں۔‘‘

گل رخ نے نہایت مضحک متانت سے کہا۔

’’مگر افسوس یہ ہے کہ میں بادل ناخواستہ بھی آمادہ نہیں ہو سکتی اور یہ بھی یقیناً آپ کی غلط فہمی ہے کہ یہ انتخاب میرا ہو سکتا ہے۔ میں ان محترم سے واقف نہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ بے چارے کون ہیں‘ کیا ہیں اور کیوں ہیں۔‘‘

حکیم صاحب نے مبہوت رہنے کے بعد کہا۔ ’’العجب ثم العجب‘ یعنی صاف دیکھ رہی ہو کہ یہ ارجمند ہیں۔‘‘

گل رخ نے بدستور شگفتگی کے ساتھ کہا۔

’’تہار ارجمند بھی میں نے آج ہی سنا ہے فرزند ارجمند تو ایک چیز ہوتی ہے مگر یہ صرف ارجمند واقع ہوئے ہیں۔ جناب اچھا خیر اگر ہیں بھی ارجمند تو میں کیا کروں۔ معاف کیجئے ارجمند صاحب آپ کے چہرے کا رنگ بدل رہا ہے اور اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے بلکہ والد صاحب نے چونکہ آپ ہی کو موضوع سخن بنا دیا ہے لہٰذا میں مجبور ہوں کہ آپ کی موجودگی کو عدم موجودگی فرض کر کے اپنی ایماندارانہ رائے کا اظہار کرتی رہوں۔ ورنہ آپ میرے لیے سخت خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔‘‘

’’اس قسم کے غلط اخلاق کی میں قائل نہیں ہوں جس سے کوئی غلط فہمی نشوونما حاصل کرتی رہے۔ آپ خود انصاف کیجئے کہ شادی جو بچوں کا کھیل نہیں ہے وہ ماں باپ کا کھیل کیسے بن سکتی ہے۔ ایک دوسرے سے دو قطعی طور پر اجنبی ایک دوسرے کے زندگی بھر کے ساتھی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ انسان ایک کھلونا بھی خریدتا ہے تو اپنے مذاق کے معیار پر اس کو جانچ لیتا ہے۔ یہاں صورت یہ ہے کہ میں آپ سے واقف نہیں‘ آپ مجھ سے ناواقف۔‘‘

ارجمند نے بات کاٹ کر کہا۔

’’جی نہیں میں تو آپ سے بخوبی واقف ہوں۔‘‘

گل رخ نے ترکی بہ ترکی کہا۔

’’جس حد تک آپ مجھ سے واقف ہیں اس کو بیوقوف سے زیادہ بیوقوفی کہتے ہیں۔ آپ سے یہ بات سن کر مجھ کو کوئی تعجب نہیں ہوا اس لیے کہ آپ کے چہرے کی جو ساخت ہے اس سے مجھ کو آپ سے اس قسم کی سطحی بات کی امید ہو سکتی تھی۔ آپ غالباً میرے متعلق یہ جانتے ہوں گے کہ میں ایک لڑکی ہوں اور چونکہ میں ایک لڑکی ہوں لہٰذا میری ایک لڑکے سے شادی ہو سکتی ہے اور چونکہ شادی ہو سکتی ہے لہٰذا آپ کی شریک حیات بھی بن سکتی ہوں۔ جناب محترم اس قسم کی شادیاں اس زمانے میں ہوا کرتی تھیں جب یہ منڈھا گایا جاتا تھا کہ

کاہے کو بیاہی بدیس لکھیا بابل میرے

اور جب آرسی مصحف میں زندگی کے دو اندھے ساتھی آئینے سے آنکھیں مانگ کر ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے کہ جو جوا ہمارے ماں باپ نے ہم کو داؤ پر لگا کر کھیلا ہے اس میں خود ہماری کتنی جیت رہی ہے اور کتنی ہار۔ مگر وہ زمانہ اب تاریخ کے اوراق میں پڑا سو رہا ہے اس سونے والے کو آپ جگانے کی کوشش نہ فرمائیں۔ دیکھئے برا نہ مانیئے گا' میرا مطلب یہ نہیں کہ آپ میں خدانخواستہ کوئی نقص ہے۔ آپ یقیناً بہترین آدمی ہوں گے' آپ میں بے شمار خوبیاں ہوں گی ممکن ہے آپ میں کوئی برائی نہ ہو' مگر آپ کو کیا معلوم کہ مجھ کو اپنے زندگی کے ساتھ میں خوبیاں پسند ہیں یا برائیاں' فرض کر لیجئے کہ میں بعض برائیاں دیکھنا چاہتی ہوں اس میں جس کا میں انتخاب کروں۔‘‘

خالد اس بحث کو ٹالنا چاہتا تھا اور اس کو ڈر تھا کہ ارجمند یا حکیم صاحب گل رخ کی کسی بات کا جواب دے کر اس کو پھر اسی بحث میں الجھا دیں گے لہٰذا اس نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

’’کتنا اچھا موسم ہے اور کتنی خشک گفتگو ہو رہی ہے۔ ضرورت تھی کہ اس ٹھنڈی ہوا میں گرم چائے پی جائے اسی سبزہ زار پر بیٹھ کر مگر موسم کی ساری کیفیت نذر ہو گئی اس بحث کے۔‘‘

گل رخ نے کہا۔

’’مجھے افسوس ہے ڈاکٹر صاحب واقعی اتنا رنگین آسمان بہت ہی کم نصیب ہوتا ہے یہ برسے ہوئے بادل ایسا رنگا رنگ ہو جاتے ہیں کہ ان رنگینیوں کو نظر انداز کرنا کفران نعمت ہے۔ ٹھہریئے میں ابھی چائے کا اہتمام کرتی ہوں۔‘‘

یہ کہہ کر گل رخ چوکڑی بھرتی ہوئی اندر چلی گئی تو ڈاکٹر خالد نے حکیم صاحب سے کہا۔

’’کمال کرتے ہیں آپ بھی کہ جب آپ کو معلوم ہے کہ وہ اپنا دماغی توازن ہی کھو چکی ہے غریب تو آپ نے اس سے یہ ذکر ہی کیوں

کیا؟‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’بندہ نواز یہ ذکر یوں کیا کہ میرا خیال تھا کہ جب میں اس سے کہوں گا کہ اب مجھ کو اس میں کوئی انکار نہیں ہے کہ وہ ارجمند سے شادی کرے تو اس بات کا نہایت خوشگوار اثر اس کے دماغ پر پڑے گا۔ میرے جس انکار نے اس کا دماغ پھیر دیا ہے اسی کے اقرار کے بعد دماغ الٹی گردش کر کے صحیح ہو سکتا تھا۔‘‘

نعیم سے نہ رہا گیا۔ ’’یہ بات آپ انجینئری کے اصول سے فرما رہے ہیں یا طبی حیثیت سے۔‘‘

ارجمند نے کہا۔ ’’جی ہاں‘ کل چند ساعتوں کے لیے ان پر یہ کیفیت گزری تھی کہ گویا مجھ کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں بلکہ مجھ سے کہا تھا کہ آپ کے چہرے میں جو اجنبیت ہونا چاہیے وہ کبھی کبھی ایسی غائب ہو جاتی ہے کہ جیسے میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہو۔‘‘

خالد نے کہا۔ ’’جی ہاں یہ کیفیت ان پر گزرتی ہو گی‘ مگر اب میری رائے یہ ہے کہ آپ لوگ ان پر یہ زور ہرگز نہ ڈالیں کہ وہ آپ کو پہچان لیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ اپنے دماغ پر کوئی خاص زور ڈالیں۔ میں آج کل ان کا نہایت گہرا مطالعہ کر رہا ہوں اور اسی مطالعہ کی روشنی میں کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہتا ہوں کہ میں ان کا علاج شروع کرنے کی کیا صورت اختیار کروں۔‘‘

حکیم صاحب نے اس لطیف مزاح کو سمجھنے کے بجائے سنجیدگی سے کہا۔

’’میں بہ حیثیت ایک طبیب کے اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ میرے مسلسل اور سخت انکار نے اس کے دماغی توازن کو بگاڑ دیا ہے تو اب میری رضامندی اسی دماغ کا توازن بھی درست کر سکتی ہے۔‘‘

خالد نے کہا۔

’’مگر قبلہ آپ نے یہ بھی اندازہ کر لیا ہوتا تو اچھا تھا کہ اس کا عالم تو یہ ہے کہ وہ ارجمند صاحب کو بالکل پہچان ہی نہیں رہی ہے۔‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ جیسا ماہر امراض دماغ بھی یہاں موجود ہے اور میرے طبی مشورے سے بھی آپ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہم دونوں مل کر اگر کوشش کریں تو۔۔۔۔‘‘

خالد نے بات کاٹ کر کہا۔

’’حضور گستاخی معاف‘ یہ نہ ہو سکے گا۔ میں آپ کے کسی بھی مشورہ سے مستفیض ہونا پسند نہ کروں گا۔‘‘

حکیم صاحب نے ایک دم اکڑ کر کہا۔

’’وہ کیوں؟ کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں طبی اعتبار سے نااہل ہوں‘ سند یافتہ طبیب نہیں بلکہ نیم حکیم ہوں‘ عطائی ہوں‘ اناڑی ہوں‘ آخر مدعا‘ یعنی مطلب کیا ہے آپ کا؟‘‘

خالد نے دست بستہ عرض کیا۔

''حضور والا! میرا ہرگز یہ مطلب نہیں' آپ یقیناً اپنی طب کے طبیب حاذق ہوں گے۔ آپ کے تجربہ سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا اور آپ کی تشخیص کا بھی کوئی جواب نہ ہوگا مگر جس طب کا میں طالب علم ہوں اس طب کا آپ کی طب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

حکیم صاحب نے نہایت وثوق سے کہا۔

''غلط فرماتے ہیں آپ' تعلق ہے۔ اور اس حد تک قریبی تعلق ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔ اب منہ کیا دیکھ ہے ارجمند صاحب' آپ جملہ پورا کیجئے نا میرا''

ارجمند نے تعمیل حکم کی۔ ''اس حد تک قریبی تعلق ہے کہ

من تو شدم تو من شدی' من تن شدم تو جاں شدی''

حکیم صاحب نے سر کو جھٹکا دے کر کہا۔

''لاحول ولاقوۃ...... یہ کیا بکواس ہے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں' فرق صرف زبان کا ہے۔ طب انگریزی نے ہماری ہی خوشہ چینی کی ہے۔''

خالد نے کہا۔ ''بجا فرماتے ہیں آپ لیکن اگر یہ چاہتے ہیں کہ میں کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ کر صحیح علاج شروع کرسکوں تو مجھ کو اس کا موقع دے دیجئے اگر خدانا خواستہ میں ناکام ہوگیا تو آپ کے تجبر اور تجربہ سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گا۔''

حکیم صاحب نے پھر بھی ضد کی۔ ''آپ یہ نہ بھولیے کہ میں علاوہ طبیب ہونے کے مریضہ کا باپ بھی ہوں۔ بہر حال اگر آپ کو کبھی کوئی دشواری پیش آجائے تو کسی طبی الجھن میں آپ مبتلا ہوجائیں تو میں نہایت خوشی کے ساتھ آپ کو مشورہ دے سکتا ہوں۔''

اسی وقت گل رخ چائے کی ٹرالی خود چلاتی ہوئی لے کر آئی اور آتے ہی اس نے کہا۔ ''چائے بنانا ایک مشکل فن ہے اور آج اس فن کے کمالات میں نے دکھانے ہیں۔'' اور یہ کہہ کر اس نے چائے انڈیلنا شروع کردی۔

ڈاکٹر خالد کے مطب اور نرسنگ ہوم کے درمیانی پائیں باغ کے اسی گوشہ میں جواب سے پہلے بھی کئی رومانی مناظر کا پس منظر ثابت ہو چکا ہے اسی حوض اور فوارے کے قریب آج زبیدہ اور ارجمند ٹہلتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ ارجمند کو گل رخ کی طرف سے جو مایوسی ہوچکی ہے اس کو اگر ارجمند کے علاوہ کسی اور نے محسوس کیا ہے تو وہ زبیدہ ہے۔ خالد' نعیم یا حکیم صاحب قبلہ نے گل رخ کی ارجمند سے بے رخی کو اس کی دماغی کیفیت سے تعبیر کیا ہے مگر زبیدہ کو ارجمند سے اس باب میں اتنی ہمدردی پیدا ہوگئی ہے کہ وہ کئی مرتبہ ارجمند سے اس قسم کی باتیں

کر چکی ہے جن سے دل دہی کچھ کچھ ضرورت سے زیادہ بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ دونوں رفتہ رفتہ قریب آتے گئے اور اس حد تک قریب آ گئے کہ زبیدہ نے ارجمند کو اپنی ساری کتھا نہایت تفصیل سے سنا کر گویا ارجمند پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ میری اور تمہاری ایک ہی حیثیت ہے، ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں بلکہ تم یہ کہہ کر صبر بھی کر سکتے ہو کہ تمہاری وابستگی کو گل رخ نے اس وقت ٹھکرایا ہے جب وہ تمہارے ہی لیے دماغی توازن کھو چکی ہے مگر مجھ کو دیکھو کہ مجھے ٹھکرانے والا نہ صرف صحیح الدماغ ہے بلکہ دماغی مریضوں کا مانا ہوا معالج ہے۔ حالانکہ میں اس کی قائل نہیں ہوں کہ گل رخ کسی دماغی مرض میں مبتلا ہے اس کو پاگل کہنے والا خود پاگل ہے وہ نہایت صحیح الدماغی کی باتیں کرتی ہے وہ بے حد سمجھدار اور ذہین ہے بلکہ اس حد تک ذہین ہے کہ اور سب کو تو خیر اس نے تو خالد ایسے ماہر معالج کو بھی اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے کہ گویا وہ پاگل ہے۔ ان دونوں میں آج بھی موضوع گفتگو یہی تھا۔ ارجمند نے آخر زبیدہ سے براہ راست سوال کر ہی لیا کہ ’’سوال تو یہ ہے کہ وہ آخر کیوں پاگل بنی ہوئی ہے؟‘‘

زبیدہ نے کہا۔ ’’وہ بے چاری کہاں بنی ہوئی ہے پاگل اس نے تو کبھی نہیں کہا کہ میں پاگل ہوں۔‘‘

ارجمند نے کہا۔ ’’یعنی وہ پاگل پن نہیں ہے کہ وہ مجھ کو بھی نہیں پہچانتی۔‘‘

زبیدہ نے کہا۔ ’’وہ اس کی ضرورت نہیں سمجھتی کہ آپ کو پہچانے۔ اور اگر پہچان لے تو آخر آپ سے کس طرح کہے کہ میں نے آپ کو پہچان تو لیا ہے اور یہ بھی مجھ کو یاد ہے کہ میں آپ سے وابستگی کا دم بھر چکی ہوں مگر اب آپ سے زیادہ ڈاکٹر خالد کو بحیثیت اپنے انتخاب کے مناسب اور موزوں سمجھتی ہوں۔‘‘

ارجمند نے کہا۔ ’’میں کیسے کہوں کہ زبیدہ بیگم آپ کا یہ قیاس درست ہے۔ گل رخ اتنا بڑا جھوٹ کبھی نہیں بول سکتی۔‘‘

زبیدہ نے طنز سے ہنس کر کہا۔ ’’بڑا حسن ظن ہے آپ کو مگر میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ یہ میرا قیاس نہیں بلکہ یقین ہے۔ میں نے آج تک ایسا کوئی پاگل نہیں دیکھا جو اس حد تک صحیح الدماغ ہو جیسی گل رخ ہے۔ آپ کو جس حیثیت سے اس نے جانا تھا پہچانا تھا، جب اس کا وہ نقطہ نظر ہی بدل چکا ہے تو نگاہوں کے بدلنے میں کیا دیر لگتی ہے۔ البتہ مجھ کو اس کی وہ سنگدلانہ باتیں پسند نہیں آئیں جو اس دن اس نے آپ سے کی ہیں اس سے زیادہ بہتر تو یہ تھا کہ صاف کہہ دیتی کہ میں اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر کے اپنے پچھلے فیصلے پر قائم نہیں ہوں۔‘‘

ارجمند نے کہا۔ ’’تو کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ ڈاکٹر خالد سے اس کو واقعی جذباتی وابستگی پیدا ہو چکی ہے۔‘‘

زبیدہ نے کہا۔ ’’جی ہاں، اور صرف اسی کو نہیں بلکہ خود ڈاکٹر خالد کو بھی۔ اس بے چاری نے تو میرے لیے یہ کوشش بھی کی کہ وہ میرے لیے ایثار سے کام لے وہ اپنے دل پر پتھر رکھ کر یہاں سے چلی بھی گئی مگر خالد کو اس نے اس مقام پر پہنچا دیا ہے جہاں سے میں یا کوئی ان کو واپس نہیں لا سکتا۔‘‘

ارجمند نے کہا۔ ”آپ کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر خالد بھی اس سازش میں شریک ہیں کہ وہ دانستہ پاگل بنی رہے۔“

زبیدہ نے چونک کر کہا۔ ”یہ میں نے کب کہا، اور یہ مطلب آپ نے میری کس بات سے نکال لیا؟ ڈاکٹر خالد میں اور خواہ کوئی خامی ہو مگر وہ سازشی آدمی ہرگز نہیں ہیں ان کو آپ نے اور حکیم صاحب نے یقین دلا دیا ہے کہ گل رخ دماغی مرض میں مبتلا ہے۔ یہ یقین ان کو اب بمشکل آسکا ہے مگر اس کے باوجود بحیثیت ڈاکٹر کے آج تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ پاگل پن کی یہ کونسی نوعیت ہے اور اس کا علاج آخر کس طرح کیا جائے؟“

ارجمند نے کہا۔ ”اچھا فرض کر لیجئے کہ ان کو یہ یقین ہو جائے کہ واقعی گل رخ کا دماغی توازن درست نہیں ہے تو کیا اس کے باوجود وہ آپ کی طرف متوجہ نہ ہوں گے۔“

زبیدہ نے یکا یک مشتعل ہو کر کہا۔ ”تو ان کی توجہ کی میں کب بھیک مانگ رہی ہوں۔ میں تو یہ قطعی فیصلہ کر چکی ہوں کہ جس طرح وہ مجھ کو ٹھکرا چکے ہیں اس کے بعد اب وہ مجھے کسی قیمت پر حاصل نہیں کر سکتے وہ اگر متوجہ بھی ہو بھی جائیں تو میں ان کو مایوس کروں گی۔ ارجمند صاحب میری غیرت ابھی اس حد تک زندہ ہے کہ میں نسائیت کی آن قائم رکھ سکتی ہوں۔ مجھے ان سے جذباتی وابستگی تھی ضرور مگر محض اسی حد تک ایک لڑکی جو رومان اور دل کی دیوانگی وغیرہ سے بے نیاز اور بے خبر ہو کر کسی لڑکے سے وابستہ ہو سکتی ہے کہ بچپن سے دونوں کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو زندگی کا ساتھی بننا ہے لہٰذا خواہ مخواہ بھی وہ ایک دوسرے کو اپنا سمجھنے لگتے ہیں لیکن اگر کسی منزل پر پہنچ کر یہ اندازہ ہو جائے کہ یہ واقعہ نہیں بلکہ واہمہ ہے تو۔۔۔۔۔۔۔ وہ وابستگی جو دراصل اعتباری ہوتی ہے نہایت آسانی سے ختم بھی ہو جاتی ہے اور میرا تو قصہ ہی دوسرا ہے میرے ساتھ تو اس مغرور شخص نے بے انصافی بھی کی ہے اور مجھے قدم قدم پر یہ احساس بھی دلایا ہے کہ وہ میری دانستہ توہین کر رہا ہے لہٰذا مجھے تو ایک قسم کی نفرت سی پیدا ہو گئی ہے یا اگر نفرت زیادہ سخت لفظ ہے تو یہ سمجھ لیجئے کہ ضد سی پیدا ہو گئی ہے خالد سے۔ وہ ولایت سے واپس آ کر وہ خالد رہا ہی نہیں ہے جو ولایت جانے سے پہلے تھا۔“

ارجمند نے کہا۔ ”گویا ولایت جانے سے پہلے ان کی توجہ کا مرکز آپ اور صرف آپ تھیں۔“

زبیدہ نے الفاظ کو تولتے ہوئے کہا۔ ”توجہ کی مرکز تو خیر میں تھی ہی اس لیے کہ توجہ ہٹانے والی کوئی اور نہ تھی مگر اس کے علاوہ میرا اندازہ یہ تھا کہ وہ مجھ پر پورا اعتماد رکھتا ہے اور صرف میں ہوں جس سے وہ کوئی بات نہیں چھپاتا۔ میں اس کو قطعاً بے قصور سمجھتی اگر وہ گل رخ کو سات لاکر۔۔۔۔۔۔ اور صاف صاف مجھ پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ کہہ دیتا کہ ولایت جانے اور وہاں رہنے کے بعد میرے نقطہ نظر میں جو فرق پیدا ہو گیا ہے اس پر تم سے زیادہ گل رخ پوری اتر رہی ہے مگر اس نے بزدلی سے کام لیا وہ سب کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہا۔“

ارجمند نے کہا۔ ”معاف کیجئے گا میں اس معاملہ میں آپ سے اتفاق نہیں رکھتا، یہ خالد غریب اتنا سنگدل ہو سکتا تھا نہ اپ اس صاف

گوئی کی تاب لا سکتی تھیں۔''

زبیدہ نے کہا۔''جی ہاں یہ آپ اس لیے کہہ رہی ہیں کہ آپ مجھ سے واقف نہیں ہیں۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اس صورت سے اگر مجھ کو کچھ رنج ہوتا تو صرف اس بات کا کہ جس کو میں بچپن سے اپنا سمجھتی رہی وہ میرا نہیں ہے مگر اس بات کی خوشی ہوتی کہ میرا نہ ہوسکنے کے باوجود اس کو مجھ پر کتنا اعتماد ہے کہ وہ اپنے دل کے اس چور نگ کو میرے سامنے پیش کر رہا ہے۔ مگر میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ اس نے اس معاملہ میں کس حد تک رکیک قسم کی چوریاں کی ہیں مثلاً میرے متعلق یہ کہنا کہ میں ان کی ہم مذاق اور ہم خیال نہیں ہوں۔ کوئی پوچھے ان حضرت سے کہ پہلے میں ہم خیال اور ہم مذاق کیوں تسلیم کر لی گئی تھی؟''

ارجمند نے کہا۔''بہر صورت میں اس عزت افزائی کا ممنون ہوں کہ آپ نے مجھ پر اعتماد کیا کہ اپنا اتنا بڑا راز مجھ پر کھول دیا۔''

زبیدہ نے ایک کھو کھلے سے تبسم کے ساتھ کہا۔''جی نہیں' یہ تو کھلا کھلا یا راز ہے میں نہ بتاتی آپ کو یہ بتاتی تو چند دن میں آپ کو خود معلوم ہو جاتیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں نے اس تفصیل اور اس صفائی کے ساتھ یہ باتیں آج تک کسی سے نہیں کی ہیں۔''

ارجمند نے شرارت آمیز تبسم کے ساتھ کہا۔''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ جو باتیں کسی سے نہ کی ہوں وہ مجھ سے کیوں کی گئیں؟''

زبیدہ نے کچھ ٹپٹا کر مگر پھر سنبھلتے ہوئے کہا۔''واقعی یہ سوال پیدا ہوتا ہے مگر اس کا جواب خود مجھے نہیں معلوم۔ آپ نے متوجہ کیا ہے تو میں خود حیران ہوں کہ آپ سے اس بے تکلفی کے ساتھ میں نے یہ باتیں آخر کیوں کیں۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ میری اور آپ کی تقریباً ایک سی کیفیت ہے اور وہی شعر صادق آ رہا ہے کہ

آ عندلیب مل کر کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

ارجمند نے کہا۔''میرے لیے تو یہ شعر نہایت حسب حال ہے۔ حد یہ ہے کہ اس میں گل رخ کا گل تک موجود ہے مگر اس ڈر نے آپ کو بھی بے نقاب کر دیا ہے۔ حالانکہ ابھی آپ خالد صاحب سے وابستگی سے انکار کر چکی ہیں مگر چلا رہی ہیں' ہائے دل!''

زبیدہ نے ہنس کر کہا۔''اوہ! آپ بھی شعر و شاعری کی باتوں کو اصل واقعات سمجھ بیٹھے۔ میں نے یوں ہی برسبیل تذکرہ یہ شعر پڑھ دیا تھا۔''

اور اسی وقت اسی جھاڑی سے نکلنے والی گل رخ تھی جس نے نہایت بے پروائی سے ان دونوں کے درمیان آ کر کہا۔''کون سا شعر پڑھ دیا تھا' باغ کے اس لہلہاتے ہوئے اور خوشبو سے مہکتے ہوئے کنج میں؟ موتی برساتے ہوئے فوارے کے پاس کھڑے ہو کر کسی لڑکی کا کسی نوجوان کو شعر سنانا بجائے خود ایک شعر ہے۔ ہاں تو کیا تھا وہ شعر؟''

زبیدہ نے بڑی جرات سے کہا۔ ’’جب تم سب کچھ سن چکی ہو تو اس طرح کیوں پوچھ رہی ہو؟‘‘

گل رخ نے بدستور شگفتگی کے ساتھ کہا۔ ’’اگر میں سن چکی ہوتی تو تمہاری خوشامد کیوں کرتی‘ خود ہی گنگناتی ہوئی نکلتی وہ شعر‘ میں تو ادھر سے گزر رہی تھی کہ تمہاری صرف یہ آواز کانوں میں پڑی کہ ’’میں نے یوں ہی برسبیل تذکرہ یہ شعر پڑھ دیا تھا‘‘ ہاں تو۔۔۔۔۔۔ وہ کون سا شعر تھا؟‘‘

زبیدہ کو گل رخ پر اتنا اعتماد ضرور تھا کہ اس کو یقین آ گیا کہ اس نے واقعی اور باتیں نہیں سنی ہیں مگر سوال یہ تھا کہ وہ اب شعر سنائے تو کون سا‘ آخر اس نے نہ جانے کیوں کچھ ہکلاتے ہوئے کہا۔ ’’بھئی وہ شعر ہی کیا تھا یوں ہی یاد آ گیا تھا اس وقت اور ارجمند صاحب بھی میرے سر تھے کہ میں نے یہ شرع کیوں پڑھا ہے اس وقت‘ وہ شعر تھا۔

خزاں ہی میں گریباں چاک کر لیں
خدا جانے بہار آئے نہ آئے

گل رخ نے نہایت بے پروائی سے جاتے ہوئے کہا۔ ’’کھودا پہاڑ نکلی چوہیا۔۔۔۔۔۔ ان فضاؤں میں پڑھنے کے لیے یہی شعر رہ گیا تھا۔‘‘ اور وہ دونوں کو حیران چھوڑ کر چل دی۔

ڈاکٹر خالد نے گل رخ کی ہر نقل و حرکت کا جو غائر مطالعہ شروع کر رکھا تھا اس کی تو گل رخ کو خبر نہ تھی۔ البتہ وہ ڈاکٹر خالد کی والدہ کی ان نگاہوں کو سمجھنے سے قاصر تھی جو اس پر پڑا کرتی تھیں۔ حیران حیران سی پھٹی پھٹی سی نگاہیں۔ کبھی ان نگاہوں میں وحشت ہوتی تھی اور کبھی رحم۔ آخر اس نے ایک دن ان سے پوچھ ہی لیا۔

’’آپ آخر مجھ کو اس طرح کیوں دیکھا کرتی ہیں‘ جیسے کچھ کہنا چاہتی ہوں مگر نہ کہہ سکیں۔ بعض اوقات تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میرے متعلق آپ نے دماغ کے بجائے آنکھوں سے غور کرنے کی مشق شروع کر دی ہو۔ کیا میرے متعلق بھی کوئی بات ایسی ہو سکتی ہے جو آپ مجھ سے نہ کہہ سکیں۔ مجھ پر تو آپ کے بڑے حقوق ہیں۔‘‘

خالد کی والدہ اس براہ راست اور اچانک سوال پر کچھ سٹپٹا کر رہ گئیں اور بات ٹالنے کے لیے زبردستی کی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ’’لو اور سنو اب میں ایسی ہی تو سٹھیا گئی ہوں کہ بجائے دماغ کے آنکھوں سے غور کرنے لگوں۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’جی نہیں‘ اس میں سٹھیانے کی کوئی بات نہیں میں نے بہت سے لوگوں کو نہ جانے کس کس طرح غور کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ مثلاً میرے ابا جان ہمیشہ اپنی چھڑی سے غور کرتے ہیں۔ جب کبھی ان کو غور کرنا پڑتا ہے کسی بات پر وہ چھڑی ہاتھ میں لے کر زمین پر مختلف قسم کی لکیریں کھینچتے ہیں طرح طرح کے نقشے بناتے ہیں کبھی چھڑی سے قلم اور زمین سے کاغذ کا کام لے کر نہ جانے کیا کیا لکھتے

اور مٹاتے رہتے ہیں۔ یہ دیکھئے۔ آپ خود دیکھ لیجیے۔ ابا جان ابھی کرسی پر بیٹھے تھے ان کے ہاتھ میں چھڑی بھی تھی چنانچہ دیکھ لیجیے زمین پر یہ بنا ہوا ہے چودہ کا اور یہ بنی ہوئی کسی ایسی چڑیا کی تصویر جو مرغ ہوتے ہوتے بچی اور بکری کے قریب پہنچتے پہنچتے چڑیا بن گئی سچ مچ اس وضع کی چڑیا میں نے آج تک کہیں نہیں دیکھی چڑیا گھر میں بھانت بھانت کی چڑیا ہیں مگر اس نسل کی چڑیا وہاں بھی موجود نہیں ہے۔‘‘

ڈاکٹر خالد کی والدہ نے زمین پر بنی ہوئی چڑیا کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔ ’’سچ مچ عجیب جانور بنایا ہے بھائی صاحب نے مگر تم کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ جس وقت وہ اس قسم کی چیزیں بناتے ہیں وہ اس وقت وہ دراصل غور کرتے ہیں۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’میں ان کی اس عادت کو ہمیشہ سے جانتی ہوں اور سنئے ہمارے ڈاکٹر صاحب کی عادت یہ ہے کہ جس وقت وہ بڑے غور و فکر کے ساتھ کسی مریض کا حال سنتے ہیں اس وقت میز پر رکھے ہوئے پیڈ پر پنسل سے یا قلم سے نجانے کس کس کے دستخط کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کسی کا مونوگرام بناتے ہیں کبھی بطخیں بناتے رہتے ہیں۔‘‘

ڈاکٹر خالد کی والدہ نے جان بوجھ کر پوچھا۔ ’’اچھا اور یہ جو ارجمند میاں ہیں یہ کس طرح غور کرتے ہیں؟‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’میں نے تو ان کو کبھی غور کرتے ہی نہیں دیکھا۔ میرے خیال میں وہ غور کرتے ہی نہیں۔ بات یہ ہے کہ غور کرنے کے لیے انسان کے پاس دماغ اور دماغ میں غور کرنے کی صلاحیت کا ہونا بڑا ضروری ہے۔ یہ حضرت یا تو ان دونوں چیزوں سے محروم ہیں یا ان میں سے کوئی ایک چیز ان کے حصے میں نہیں آئی ہے۔‘‘

گل رخ کو اس رخ پر لا کر ڈاکٹر خالد کی والدہ نے کہا۔ ’’مگر یہ ہیں کون؟‘‘

گل رخ نے بڑی سادگی سے کہا۔ ’’میں خود اس کے متعلق غور کیا کرتی ہوں کہ میں ان کو ابا جان کے ساتھ اکثر دیکھا ہے‘ یہ ابا جان کا بے حد ادب بھی کرتے ہیں اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ ابا جان سے نہایت گہرے تعلقات ہیں۔ اس حالت میں میرا خود ان سے یا ان کے متعلق ابا جان سے پوچھنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے کہ یہی کہنے کو ہوگا کہ اتنی قربت کے باوجود آج یہ پوچھنے کو بیٹھی ہے کہ یہ کون ہیں۔ بہر حال ہوں گے کوئی مگر آدمی کچھ زیادہ غور طلب ہیں بھی نہیں‘ مجھے تو کچھ بیوقوف سے نظر آتے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے کہ گل رخ کیا واقعی تم مجھ کو نہیں پہچانتیں۔ میں اس عجیب سوال پر کچھ ٹپٹا سی گئی اور نہایت برجستگی سے کام لے کر اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے کہا کہ پہچانتی کیوں نہیں ہوں آپ ارجمند صاحب ہیں۔ یہ سن کر احمقانہ سوال کیا کہ ارجمند تو ہوں مگر کون ارجمند۔ اب بتائیے اس کا کوئی کیا جواب دے؟ کسی بکرے کے متعلق کوئی پوچھے کہ بکرا تو ہے مگر کون سا بکرا تو انسان جواب بھی دے دے کہ وہ سفید رنگ کا ہلالی سینگوں والا بکرا یا وہ سیاہ رنگ کا سینگ والا بکرا۔ مگر یہ تو بالکل ایسی ہی بات ہوگئی کہ لاہور تو ہے مگر کون سا لاہور تو اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہی لاہور جو لاہور ہو سکتا ہے۔‘‘

ڈاکٹر خالد کی والدہ نے کہا۔ ''مگر بیٹی ارجمند تو مجھ سے کہہ رہا تھا کہ گل رخ کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے کہ مجھ کو پہچانتی تک نہیں حالانکہ میں وہی ارجمند ہوں جو اس کی تمناؤں کا مرکز رہ چکا ہوں۔''

گل رخ نے ایک بے ساختہ قہقہہ بلند کر کے کہا۔ ''یہ یعنی یہ حضرت میری تمناؤں کا مرکز رہ چکے ہیں۔ لعنت ہو میری ان تمناؤں پر جن کو مرکز بھی سوجھا کوئی تو یہ لیٹر بکس نما انسان۔ ٹھہریئے گا ذرا وہ جا رہے ہیں مرکز صاحب''

اور قبل اس کے کہ ڈاکٹر خالد کی والدہ اس کو روکیں' اس نے ''جناب ارجمند صاحب'' کہہ کر ارجمند کو آواز دے ہی دی۔

ارجمند نہایت تیزی سے باہر جا رہا تھا مگر اس آواز پر ایک دم ٹھٹک کر رہ گیا اور قریب جو آیا تو اسے دیکھ کر گل رخ نے ہنسی کو بمشکل ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''معاف کیجیے گا آپ کا راستہ کھوٹا کیا۔ ذرا تشریف رکھئے' مجھے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔''

ارجمند نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''جی ارشاد''

گل رخ نے بغیر کسی پس و پیش کے کہا۔ ''میں نے سنا ہے کہ آپ میری تمناؤں کے مرکز رہ چکے ہیں کبھی۔ کیا میں دریافت کر سکتی ہوں کہ یہ غلط فہمی یا یہ حسن ظن آپ کو کب اور کس علالت کے تحت ہوا تھا؟''

ارجمند نے واقعی گھبرا کر کہا۔ ''مگر یہ آپ نے کس سے سنا ہے؟''

گل رخ نے کہا۔ ''میں نے یہ بات اس سے سنی ہے جس پر مجھے آپ سے زیادہ اعتماد ہے اور آپ ہی سے زیادہ نہیں بلکہ ہر ایک سے زیادہ اعتماد ہے لہٰذا آپ اس سے انکار کر کے اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ مجھے تو صرف یہ بتا دیجئے کہ اس وہم نے آپ کو کب گھیرا تھا؟''

ارجمند نے وحشت سے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ ''اب میں کیا عرض کروں؟''

گل رخ نے کہا۔ ''آپ کا جو جی چاہے عرض کیجئے' مگر جھوٹ بولنے کی کوشش مت کیجئے گا اس لیے کہ جھوٹ بولنا ایک آرٹ ہونے کے علاوہ نہایت ذہانت کا کام ہے اور مجھے آپ کی ذات والاصفات سے یہ امید نہیں کہ آپ کامیابی کے ساتھ جھوٹ بول کر اپنے کو آرٹسٹ ثابت کر سکیں گے۔ اس لیے کہ آپ بے چارے تو مجھے نہایت واجبی سے آدمی نظر آتے ہیں اور مجھے آپ پر غصہ سے زیادہ چونکہ رحم آ رہا ہے لہٰذا میں چند باتیں نہایت دوستانہ طریقہ پر آپ کے گوش گزار کرنا چاہتی ہوں کہ آپ میرے ہی نہیں' بلکہ کسی معقول قسم کی لڑکی یا عورت کی تمناؤں کے مرکز نہیں بن سکتے۔ آپ میں تمناؤں کا مرکز بننے والی کوئی بات ایک سرے سے ہے ہی نہیں۔ غالباً آپ کا خیال یہ ہو گا کہ یہ جو آپ ابھی کریم وغیرہ رگڑ کر نکلے ہیں اور ٹائی کے نیچے رومال کوٹ کی جیب سے جھنکا رہے ہیں' اور یہ جو آپ نے اپنی پیشانی پر بالوں کا ایک لچھا دلیپ کمار سے زیادہ مسرت نذیر کی طرح دانستہ بے پروائی سے ڈال دیا ہے بس یہی چھب کسی کی تمناؤں کا مرکز بننے کے

لیے کافی ہے۔ عزیز محترم! آپ کا یہ خیال خام ہے۔ اگر کسی لڑکی کو اس بناؤ سنگھار کا سلیقہ اور شعور ہوتا ہے آپ بال بال موتی پرو کر اور یہ سنگھار پٹار کر کے کسی لڑکی کا دل بہ مشکل ہی موہ سکتے ہیں۔ آیا خیال شریف میں؟ لہٰذا آئینے میں خود اپنا عکس دیکھ کر آپ اپنی تمناؤں کے مرکز تو شوق سے بن جایا کریں مگر کسی لڑکی کو خواہ مخواہ کی یہ بد دعا نہ دیا کریں تو اچھا ہے۔ بس اب آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔“

ارجمند ایک سکتے کے عالم میں بحظ مستقیم اٹھا اور بغیر کچھ کہے سنے وہاں سے چلا گیا تو ڈاکٹر خالد کی والدہ بھی یہ باتیں سن کر جس سناٹے میں آ چکی تھیں، اس سے چونکیں۔

”تم نے تو بیٹی اس غریب کی مٹی ہی پلید کر کے رکھ دی۔“

گل رخ نے کہا۔ ”مجھے خود افسوس ہو رہا ہے اس لیے کہ اب ساری بات میری سمجھ میں آ چکی ہے۔ ہو نہ ہو ان حضرت کو ابا جان یہاں مریض ہی کی حیثیت سے بغرض علاج لائے ہوں گے اور ڈاکٹر صاحب ان کو اپنے پاس رکھ کر ان کے دماغ کے خلل کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ مجھ کو اس بے چارے پاگل سے واقعی اس قسم کی باتیں نہیں کرنا چاہیے تھیں۔ دیوانے کو دیوانگی سوجھ گئی ہوگی اس غریب کو کہ میں اس کو اپنی تمناؤں کا مرکز سمجھ رہی ہوں۔ سچ مچ دماغ ہی تو ایک چیز ہے انسان میں وہی ذرا ادھر سے ادھر ہو جائے تو آدمی کچھ ہو جاتا ہے۔ کیا آپ کو یہ بے چارہ پاگل نہیں معلوم ہوگا؟“

خالد کی والدہ نے کہا۔ ”نہیں بیٹا' پاگل بھی کہیں ایسے ہوتے ہیں وہ تو نہایت سلیقے سے رہتا ہے۔ ڈھنگ کی باتیں کرتا ہے۔ ایک بات بھی تو اس میں پاگل پن کی نہیں ہے۔“

گل رخ نے ہنس کر کہا۔ ”کمال ہے یہ باتیں آپ کو پاگل پن کی نہیں محسوس ہوتیں کہ ہر وقت آئینے کے سامنے کھڑے سنوارا کرتے ہیں یہ حضرت۔ مونچھیں دیکھی تھیں آپ نے کس قدر خوشخطی کے ساتھ ہونٹ پر ”ب“ لکھی ہے۔ ہر وقت ایک چھوٹی سی ریتی ہاتھ میں رہتی ہے جس سے ناخن سڈول کیا کرتے ہیں۔ میز پر آئینہ کے سامنے ہر سائز کی چھوٹی بڑی شیشیاں سجائے ہوئے ہیں جو سب میک اپ کے کام میں آتی ہیں۔ اتنا میک اپ تو کوئی فلم اسٹار بھی نہ کرتی ہوگی۔ میں نے تو یہ پہلا مدھو بالا مرد دیکھا ہے۔“

باوجود اس وحشت کے جو گل رخ سے باتیں کرنے میں خالد کی والدہ کو ہوا کرتی تھی اس ”مدھو بالا مرد“ پر ان کو بھی بے ساختہ ہنسی آ گئی اور انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”ہے تو واقعی کچھ ضرورت سے زیادہ ان کو بناؤ سنگھار کا شوق مگر ویسے وہ بالکل ٹھیک ہے۔“

گل رخ کو بیٹھے بٹھائے نہ جانے کیا یاد آ گیا' اس نے جاتے ہوئے کہا۔ ”ہر پاگل میں کوئی نہ کوئی پاگل پن ہی تو ہوتا ہے ویسے ٹھیک ہوتا ہے وہ۔“

ڈاکٹر خالد کا اسپتال تو در کنار خود ان کا گھر اچھا خاصہ پاگل خانہ بنا ہوا تھا۔ سب گل رخ کو پاگل سمجھ رہے تھے۔ گل رخ کو ارجمند کے

پاگل ہونے کا یقین تھا اور حکیم صاحب اپنے علاوہ باقی سب کو پاگل سمجھتے تھے۔ ان کے مشاغل سب سے نرالے تھے۔ صبح اندھیرے منہ اٹھتے، نماز پڑھنے کے بعد ہواخوری کو نکل جاتے تھے اور ہواخوری سے واپس آ کر جو کوئی بھی مل جائے اس کی دماغ خوری شروع کر دیتے تھے۔ شامت عموماً آیا کرتی تھی۔ نعیم بے چارے کی جس کے کمرے سے ملا ہوا کمرہ حکیم صاحب کا تھا لہٰذا کبھی اس سے طبی بحث چھیڑ کر ڈنڈے کے زور پر تسلیم کراتے تھے کہ طب یونانی دراصل طب ہے باقی یہ تمام طریقہ علاج ڈھکوسلا ہیں۔ کبھی اپنا کلام سنانے بیٹھ جاتے تھے اور کئی کئی مرتبہ کی سنائی ہوئی نہایت بور غزلیں سنا سنا کر اس سے داد طلب کرتے تھے۔ کبھی ورزش کے فوائد پر اس کو لیکچر دے کر چکے کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے کہ آئندہ سے روز ورزش کیا کرو۔ کبھی اس کا ہاتھ دیکھنے بیٹھ جاتے تھے اور علم وفراست الیہ میں اپنی مہارت کا سکہ جمانے کے لیے یہ چاہتے تھے کہ ہاتھ دیکھ کر جو کچھ کہیں نعیم سر تسلیم خم کر کے ان کے ہاں میں ہاں ملاتا رہے۔ مختصر یہ کہ اس غریب کی زندگی عذاب کر رکھی تھی ان بڑے میاں نے۔ آخر ایک دن تو وہ رو ہی دیا اور جس طرح سوتیلی ماں کے مظالم کا ستایا ہوا بچہ اپنی ماں کے پاس آ کر روتا ہے اس نے خالد کو اس وقت پکڑ لیا جب وہ اپنی والدہ کے پاس بیٹھے سعادت مندی کا ثبوت دے رہے تھے اور ان کی والدہ ہی سے کہا۔

”خدا کے لیے ان سے یہ پوچھ لیجئے کہ مجھ سے انہوں نے کب کا بدلا لیا ہے حکیم کو میرے سر پر نازل کر کے۔ دماغ پچی ہو کر رہ گیا ہے۔ پندرہ غزلیں سن ہیں ان کی۔ سوا سو ڈنڈ پیلے ہیں۔ ایک سو بیس بیٹھکیں لگائی ہیں اور ایک گھنٹہ سترہ منٹ تک جنتر منتر تنتر پر ان کا مسلسل اور دماغ پاش لیکچر سن کر آ رہا ہوں میری جان کے گاہک ہو گئے ہیں وہ اور انشاء اللہ وہ مجھ کو اسی اسپتال میں دماغی مریض کی حیثیت سے داخل کر کے رہیں گے۔“

خالد کی والدہ نے ہنس کر کہا۔ ”خدا نہ کرے بیٹا، مگر سچ مچ وہ بڑے میاں ہیں تو بہت ہی جھکی۔“

خالد نے کہا۔ ”صرف جھکی ہی نہیں بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ بیٹی میں ان کا ہی اثر آیا ہے۔“

خالد کی والدہ نے کہا۔ ”ہاں اور بھی کچھ سنا۔ گل رخ تو اس کو پاگل سمجھتی ہے، ارجمند کو اور اس کو یقین ہے کہ حکیم صاحب اصل میں اسی کا علاج کرانے یہاں آئے ہیں۔“

خالد نے کہا۔ ”مگر یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟؟“

خالد کی والدہ نے اس روز کا تمام قصہ سنا دیا کہ میں نے اصل میں گل رخ کو یاد دلانے کی کوشش کی تھی کہ تم کبھی اس لڑکے کو اپنی تمناؤں کا مرکز سمجھتی تھیں اس پر اس نے یہ باتیں کہیں اور خود ارجمند کو بلا کر ایسا آڑے ہاتھوں لیا ہے کہ میں تو حیران ہی رہ گئی۔ یہ سن کر ڈاکٹر خالد نے کہا۔

’’مگر آپ کو گل رخ سے یہ باتیں نہ کرنا چاہیے تھیں۔ میں اس کا جس نقطہ نظر سے مطالعہ کر رہا ہوں اس کے لیے آپ کی یہ یاد دہانی غلط ثابت ہو سکتی تھی۔ بہرحال آئندہ احتیاط رکھے گا۔‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’بھئی مجھ سے قسم لے لو کہ نہ گل رخ پاگل ہے نہ کوئی اور دماغی خلل، ہاں اگر کوئی مریض ہے تو حکیم صاحب جو میرے لیے عذاب کا فرشتہ بنے ہوئے ہیں اور وہ وقت قریب ہے کہ میں گریبان پھاڑتا ہوا نرسنگ ہوم کے کسی نہ کسی کمرے میں مریض کی حیثیت سے پایا جاؤں گا۔‘‘

خالد کی والدہ نے کہا۔ ’’چپ چپ، وہ اسی طرف آ رہے ہیں۔‘‘

سب کی توجہ اسی طرف ہو گئی جدھر سے حکیم صاحب اپنی تاریخی چھڑی لیے تشریف لا رہے ہیں چنانچہ آپ نے قریب آتے ہی بغیر کسی تمہید کے فرمایا۔

’’چھینکنے کے بعد ہم کہتے ہیں شکر الحمدللہ اور انگریز کہتے ہیں معاف کیجئے گا کیا بعد المشرقین ہے۔ ابھی آپ کے اسپتال کی ایک نرس جو انگریز ہونے سے بال بال بچی ہے، میرے قریب آ کر چھینکی اور پھر مجھ سے کہا کہ معاف کیجئے گا۔ لو بھلا اس نے میرا کیا بگاڑا تھا کہ میں معاف کروں۔ کوئی میری ناک سے چھینک چھینکی نہیں تھی اس نے؟ میری تشخیص یہ ہے کہ اس کو نزلہ تو ہو ہی چکا ہے لیکن اگر اس نے احتیاط سے کام نہ لیا تو تبخیری کیفیت پیدا ہو کر اس کو پہلے حرارت میں اور اس کے بعد تپ میں مبتلا کر دے گی۔‘‘

نعیم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ’’نبض دیکھی تھی آپ نے اس کی؟‘‘

حکیم صاحب نے فرمایا۔ ’’ماہر اطباء نبض دیکھے بغیر مریض کا رنگ رخ دیکھ کر ایک نتیجہ پر پہنچ جایا کرتے ہیں۔‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’مگر ان کم بختوں کا رنگ رخ بھی تو سمجھ میں نہیں آتا، منوں تو پاؤڈر تھوپے رہتی ہیں۔‘‘

حکیم صاحب نے بڑے تجربہ کارانہ انداز سے کہا۔ ’’کیا باتیں کر رہے ہیں برخوردار آپ بھی۔ عمیق نگاہیں پاؤڈر کے نیچے بھی پہنچ جاتی ہیں۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بتا رہی تھی کہ نزلہ اپنا کام کر چکا ہے اور بخار کی آمد آمد ہے۔ اگر اسی وقت وہ جوشاندہ پی کر اوڑھ کر لپیٹ کر پڑ رہے تو ممکن ہے کہ بخار نہ ہو ورنہ تھوڑی ہی دیر میں اس کو سردی لگے گی اور بخار ہو جائے گا۔‘‘

خالد کی والدہ نے کہا۔ ’’بھائی صاحب یہ انگریزی دواؤں والے جوشاندے کی قدر کیا جانیں؟ ان کو تو یہی نگوڑی فرنگی دوائیں یاد رہ گئی ہیں۔‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’حالانکہ یہ انگریزی دوایں نہ ہمارے مزاج کے موافق ہوتی ہیں نہ ہمارے ملک کے موسم کے مطابق ہوتی ہیں۔ اب آپ ہی دیکھ لیجئے کہ کتنے دن سے آپ انگریزی دوائیں پی پی کر اپنا مرض پال رہی تھیں میرے ایک ہی نسخہ سے فائدہ ہوا یا نہیں

۔۔۔۔۔۔۔ کھا رہی نا آپ وہ چورن؟“

خالد کی والدہ نے کہا۔ ”جی ہاں برابر ہر کھانے کے بعد کھاتی ہوں۔“

خالد نے تعجب سے کہا۔ ”کیوں؟ آپ کو کیا ہوا ہے؟“

بجائے ان کے حکیم صاحب نے جواب دیا۔ ”اجی‘ ان کو تو وہ ہوا ہے کہ اگر میری توجہ یکایک نہ ہو جاتی تو اللہ جانے کیا ہو جاتا۔ معدہ جواب دے چکا تھا‘ قوت ہضم مفقود تھی۔ تولید خون مدت سے بند تھی۔ بھوک غائب‘ نقاہت میں روز افزوں ترقی‘ جگر کا فعل خراب‘ مختصر یہ کہ ہمشیرہ محترمہ مجموعہ امراض بن چکی تھیں۔ میں نے ایک ہی نظر میں تاڑ لیا اور اپنی خاندانی بیاض کا ایک نسخہ ان کے لیے تجویز کیا جسے میں اکثر مریضوں پر آزما کر تیر بہدف پا چکا ہوں۔ چورن جب ختم ہونے والا ہو تو مجھے بتا دیجیے گا۔“

خالد کی والدہ نے کہا۔ ”جی نہیں بھائی صاحب! ابھی تو بہت ہے۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”مگر ایک بات عرض کر دوں کہ آپ کھٹی چیزیں نہ کھائیے اور میٹھی چیزیں نہ کھائیے۔“

نعیم نے کہا۔ ”ایک دم سے یہی کہہ دیجیے نا کہ کچھ بھی نہ کھائیے۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”جی نہیں سبز ترکاریاں ان کے لیے بے حد مفید ہیں۔ مثلاً پالک کا ساگ‘ لوکی‘ کریلے۔ میں آپ سے عرض کروں کہ خود میں نے مدتوں کڑواہٹ نکالے بغیر کریلے کھائے ہیں۔ خون صاف کرنے اور جگر کا فعل درست کرنے کے لیے کریلا بے حد مفید ہے بشرطیکہ نیم پخت کھایا جائے اور کڑواہٹ نہ نکالی جائے اس کی۔“

خالد کی والدہ نے کہا۔ ”کون کھا سکتا ہے بھائی صاحب کڑوا کریلا؟“

نعیم بولے۔ ”میں نے سنا ہے وہ کڑوا کریلا مفید ہوتا ہے جو نیم چڑھا بھی ہو اور کونین سے بگھارا جائے۔“

حکیم صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔ ”جی نہیں کونین کی آمیزش سے وہ یقیناً نقصان کرے گا۔ ہر چند کہ کریلا بھی بے حد مفید ہے اور نیم کو تو کہنا ہی کیا مگر کونین نہایت واہیات چیز ہے۔ گرم اور خشک میں اس کی رائے نہ دوں گا۔“

ڈاکٹر خالد نے گفتگو کا موضوع بدلنے کے لیے کہا۔ ”قبلہ آپ نے لاہور کی کچھ سیر کی؟“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”سیر سے اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ میں تاریخی عمارتیں دیکھتا پھروں تو میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ ویسے سیر میں روزانہ صبح کرتا ہوں بلکہ مجھے حیرت ہے کہ آپ حضرات سیر کیوں نہیں کرتے۔ ہمشیرہ صاحبہ اگر آپ صبح کی چہل قدمی اپنا معمول بنا لیں تو میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ذرا دیکھیے گا اس مسخرے ارجمند کو اب اللہ جانے ہیٹ لگا کر کہاں جا رہا ہے‘ ہزار مرتبہ کہا کہ ہیٹ میں آپ کے حسن میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ یہی جی چاہتا ہے کہ خط لکھ کر آپ میں ڈال دیا جائے آپ کو لیٹر بکس سمجھ کر۔ مگر جہنم میں جائیں

میری طرف سے۔ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کریلا۔۔۔۔۔۔‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’جی ہاں‘ آپ فرما رہے تھے کہ کریلے کا عرق اگر علی الصباح پیا جائے تو۔۔۔۔۔‘‘

حکیم صاحب نے تعجب سے کہا۔ ’’جی؟ کریلے کا عرق علی الصباح پیا جائے یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں؟‘‘

ڈاکٹر خالد نے لاکھ ہنسی روکی مگر وہ کم بخت ابل ہی پڑی اس کو ہنستا دیکھ کر حکیم صاحب نے اس کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ’’کوئی خاص بات ہو گئی میری لاعلمی میں؟‘‘

خالد نے بات بنانے کے لیے کہا۔ ’’جی نہیں‘ مجھے لیٹر بکس کا خیال آ گیا۔ واقعی ارجمند صاحب ہیٹ لگا کر لیٹر بکس ہی معلوم ہوتے ہیں۔‘‘

حکیم صاحب نے تنفر سے کہا۔ ’’جی ہاں‘ بھلا غور تو کیجئے کہ یوں ہی آپ کیا کم پادری معلوم ہوتے ہیں کہ ہیٹ بھی لگا لیا کرتے ہیں عجیب اوندھی کھوپڑی پائی ہے اس شخص نے بھی۔ یہ بھی نہیں ڈرتا یہ کم بخت کہ اگر ہیٹ لگائے دیکھ کر کوئی انگریزی بولنے لگا ان سے تو کیا کریں گے؟‘‘

خالد نے کہا۔ ’’کیا انگریزی نہیں جانتے؟‘‘

حکیم صاحب نے بیزاری سے کہا۔ ’’لاحول ولاقوۃ۔۔۔۔۔۔ وہ جانتا ہی کیا ہے‘ اردو تک کا یہ حال ہے کہ املا غلط انشا غلط۔ چاہے امتحان لے کر دیکھ لیجئے کہ کبھی جو میرے کسی شعر کا مطلب سمجھا سکے۔ شب دیجور کے معنی پوچھئے تو کہے گا ملک دیجور کی رات۔ عید لکھوایئے تو انشاء اللہ عین سے لکھ دے گا۔ خیر عید تو عین سے ہوتی ہے مگر انشاء اللہ بھی امید ہے کہ عین ہی سے لکھے گا۔ لاحول ولاقوۃ۔۔۔۔۔۔ باتوں میں خیال ہی نہ رہا‘ نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔‘‘

اور ان سب کو دبی ہوئی ہنسی میں مبتلا چھوڑ کر حکیم صاحب اپنی وہی چھڑی لیے ہوئے روانہ ہو گئے۔

زبیدہ اور ارجمند کا قرب روز بروز بڑھ رہا تھا۔ اکثر دونوں ساتھ دیکھے جاتے تھے۔ وہ سیر و تفریح ہو یا شاپنگ‘ ہر موقع پر ایک دوسرے کا ساتھ دیتے تھے صرف یہی نہیں بلکہ زبیدہ کے چہرے پر وہ تازگی کبھی پہلے نہیں دیکھی گئی تھی جو اب نظر آنے لگی تھی۔ ارجمند کا وقت اب آئینہ کے سامنے زیادہ سے زیادہ گزرنے لگا تھا۔ صبح اگر وہ سوٹ میں نظر آتا تھا تو شام کو شیروانی اور چوڑی دار پاجامے میں اپنی چھب دکھاتا تھا۔ حد یہ ہے کہ آج کل اس کو شعر و شاعری سے بے حد ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ بات بیچھے شعر پڑھنا نہ جانے کیوں اس نے یکایک اختیار کر لیا تھا۔ حالانکہ اس سلسلہ میں کئی مرتبہ حکیم صاحب سے جھاڑ کھا چکا تھا اور وہ سب کے سامنے اس کی خبر لے چکے تھے کہ جب تم کو برمحل شعر پڑھنا نہیں آتے تو کیوں خواہ مخواہ مجھ کو جلانے کے لیے شعر پڑھتے ہو مگر اب وہ حکیم صاحب کی باتوں پر برا ماننے کے بجائے

مسکرانے لگا تھا اور زبیدہ تو جیسے بات بات پر کھلی ہی جاتی تھی۔ ان دونوں کے اس خوشگوار تغیر کو سب سے زیادہ جس نے محسوس کیا تھا وہ گل رخ ہی تھی اور وہ ان دونوں کی اس شگفتگی در پردہ برابر کی شریک تھی اور کوئی نہ کوئی حرکت ایسی کرتی رہتی تھی کہ ان دونوں کو یہ اندازہ ہو چکا تھا اس اداشناس پگلی نے ان کے دل کے بھید معلوم کر لیے ہیں مثلاً آج ہی زبیدہ گنگنا گنگنا کر بال بنانے کے بعد جب جوڑا باندھ رہی تھی، گل رخ یکایک اس کے کمرے میں آ گئی اور اس کے جوڑے میں دو نہایت خوبصورت پھول لگا کر کہنے لگی۔

"اب بلبل کو دھوکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ان پھولوں کو دیکھ کر اپنا گیت گائے یا عارض کے قریب چہکے۔"

زبیدہ نے شوخی سے کہا۔ "شکریہ۔۔۔۔۔۔۔ مگر پتہ نہ چلا کہ اس شاعری میں مدح کتنی ہے اور طنز کتنا؟"

گل رخ نے نہایت بے پروائی سے کہا۔ "اس کا جواب آئینہ دیکھ کر خود اپنے عکس سے طلب کرو۔ البتہ اتنا جانتی ہوں کہ اگر میں لڑکا ہوتی تو آج ہی تمہاری یہ تصویر اپنے تصور میں سجا کر ایک غزل کہہ ڈالتی۔"

یہ کہتی ہوئی وہ جواب کا انتظار کئے بغیر چل دی اور زبیدہ آئینہ میں اپنا ایک آخری جائزہ لینے کے بعد کمرے سے نکل کر سیدھی اس پائیں باغ میں پہنچی جہاں سرمئی رنگ کے نہایت خوش وضع سوٹ میں سفید زمین پر سرخ بنکیوں والی ٹائی باندھے ارجمند ٹہل رہے تھے۔ زبیدہ نے ارجمند کو دیکھتے ہی کہا۔

"اچھا، یعنی آپ پہلے سے بٹن ہول میں ویسے ہی پھول لگائے ہوئے ہیں جیسے میں لائی تھی اس مقصد کے لیے۔"

ارجمند نے کہا۔ "یہ میرا قصور نہیں ہے۔ ابھی چند منٹ پہلے گل رخ چند پھول لیے ہوئے آئی اور مجھ کو یہ پھول دے کر کہا کہ اگر آپ کو ناگوار نہ ہو تو یہ پھول میں آپ کے بٹن ہول کے لیے لائی ہوں۔"

زبیدہ نے کہا۔ "کمال ہے۔۔۔۔۔۔۔ میرے لیے بھی وہ یہی پھول لے کر گئی تھیں۔"

ارجمند نے کہا۔ "مجھے یہی اندازہ ہوا تھا کہ وہ یہ باقی پھول تمہارے ہی لیے لے گئی ہیں۔ میرا خیال اب یقین کی حدوں تک پہنچ رہا ہے کہ گل رخ ہماری اس یکجائی کو معنی خیز سمجھتی ہے۔"

زبیدہ نے کہا۔ "معنی خیز تو جب سمجھ سکتی ہیں جب واقعی معنی خیز ہو بھی، ہمارا یہ ملنا جلنا۔"

ارجمند نے آج ہمت سے کام لے کر کہا۔ "زبیدہ بیگم آپ مجھ سے تو اس سلسلہ میں خواہ کچھ نہ کہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ خود اپنے سے اپنے کو چھپانے کی کوشش نہ کریں اور اپنے آپ کو دھوکہ نہ دیں۔ اچھا آپ آنکھیں چار کر کے یہی کہہ دیجئے کہ ہمارا یہ ربط معنی خیز نہیں ہے۔"

زبیدہ نے بجائے آنکھیں چار کرنے کے اور بھی گردن جھکا کر اپنی ساڑھی کے آنچل سے کھیلتے ہوئے کہا۔ "معنی بھی تو ہر شخص علیحدہ علیحدہ نکال سکتا ہے۔ اللہ جانے آپ کیا معنی سمجھ بیٹھے ہیں؟"

ارجمند نے اس حوصلہ افزائی کے بعد کہا۔ ”میں نے وہی معنی نکالے ہیں جو ہم دونوں کے علاوہ گل رخ تک نے نکال لیے ہیں۔ دیکھئے جناب بننے کی کوشش نہ کیجئے نہ دراصل یہ جذبات چھپ سکتے ہیں نہ یہ نگاہیں چرائی جاسکتی ہیں۔ یہ کیفیت تو کم بخت ایسی چغل خور ہوتی ہے کہ بے آواز کے چیختی ہے۔“

زبیدہ نے ذرا اب دبنگ بن کر کہا۔ ”میں تو آپ کو ساتھی کہنا مناسب سمجھتی ہوں۔“

ارجمند نے کہا۔ ”ساتھی‘ اور مناسب۔ کس قدر محتاط الفاظ آپ نے ڈھونڈے ہیں۔ کم سے کم یہی سچ سچ بتا دیجئے کہ ان الفاظ کی تلاش میں آپ کو کتنی دقت ہوئی ہے۔ خیر آپ بتائیں یا نہ بتائیں مگر میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ساتھی سے مراد آپ کی زندگی کے ساتھی سے تھی اور مناسب آپ نے پسند کی جگہ استعمال کیا ہے۔“

زبیدہ نے دور ہٹ کر کہا۔ ”آپ اس قدر منہ پھٹ ہوتے جا رہے ہیں حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ میں یہ الفاظ استعمال کرنے پر اس لیے مجبور ہوں کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ پر یہ حقوق صرف گل رخ کو حاصل ہیں۔“

ارجمند نے کہا۔ ”کیوں اب آپ گئے دور کو واپس لانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ میں کئی مرتبہ اشاروں میں یہ بات سمجھا چکا ہوں اور آج نہایت وضاحت سے بتائے دیتا ہوں کہ گل رخ کی حیثیت میرے لیے اب صرف ایک خوشگوار خواب کی ہے جس کی تعبیر برعکس نکلے۔ وہ دماغ سے مجبور ہو کر یا دل سے بہرحال اب وہ میرے لیے نہیں ہے اور اب مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ میرے راستے سے محض اس لیے ہٹائی گئی ہے کہ قدرت نے میرے لیے کسی اور کا انتخاب کر رکھا تھا۔ مجھے امید ہے کہ اب آپ یہ ظالمانہ طریقہ اختیار نہ کریں گے کہ گل رخ کا طعنہ خواہ مخواہ دیتی رہیں۔ میری زبان سے بھی آپ نے کبھی ڈاکٹر خالد کا نام سنا ہے۔“

زبیدہ نے آگے بڑھ کر ارجمند کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”میں معافی چاہتا ہوں‘ واقعی یہ میری زیادتی تھی۔“

ارجمند نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔ ”میرے ہاتھوں میں یہ ہاتھ دے کر تم نے مجھ کو سب کچھ دے دیا۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”میں نے کچھ نہیں دیا جس کی امانت تھی اس کے سپرد کر دی مگر اب ہم دونوں کو نہایت سنجیدگی سے یعنی ان صحیح جذبات سے گزر کر یہ طے کرنا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔ آخر آپ سمجھتے کیوں نہیں کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں؟“

ارجمند نے کہا۔ ”وہ تو میں سمجھ چکا ہوں اور یہ سنجیدگی مجھ پر بہت پہلے سے طاری ہے۔ میں صرف نعیم بھائی کے متعلق یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہمارے اس سنجوگ کو کس نظر سے دیکھیں گے۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”نعیم بھائی کی مجھے فکر نہیں ہے‘ وہ نہایت معقول قسم کے آدمی ہیں اور ان باتوں کو شخصی اور نجی سمجھتے ہیں نہ ان کو اس کی خوشی تھی کہ خالد کا نام میرے نام کے ساتھ ہمیشہ لیا گیا نہ ان کو اس کا رنج ہوا کہ خالد کی توجہ میرے بجائے گل رخ کی طرف کیوں ہو گئی۔ وہ جس

طرح میرے بھائی تھے' بھائی رہے اور جتنے خالد کے دوست تھے اتنے ہی دوست رہے۔ نعیم بھائی کی طرف سے یہ تو اطمینان ہے۔ خالد کو ۔۔۔۔۔۔ بجائے کوئی اعتراض ہونے کے دراصل خوشی ہوگی کہ ان کے سر کوئی الزام نہ آسکا اور جو وہ چاہتے تھے وہ میں کر گزری کہ ان کے راستہ سے ہٹ جاؤں۔ رہ گئیں خالد کی والدہ' وہ بزرگ ضرور ہیں مگر سچ پوچھیے تو وہ مجھ سے نادم سی ہیں کہ ان کے صاحبزادے نے مجھ کو اس طرح کیوں نظر انداز کیا۔ ان کی کوئی خاص آواز بھی نہیں ہے۔ گل رخ کی طرف سے مجھے پوری امید ہے کہ وہ اس تجویز کا خیر مقدم کرے گی۔''

ارجمند نے بات کاٹ کر کہا۔ ''کرے گی نہیں بلکہ کر رہی ہے۔''

زبیدہ نے کہا۔ ''وہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ وہ اس کو نہایت مناسب سمجھ رہی ہیں کہ میں خالد کو اس کے لیے آزاد چھوڑ رہی ہوں۔ مجھے اگر کسی کی طرف سے ڈر ہے تو وہ بزرگ محترم حکیم صاحب جن کو نہ میں آج تک سمجھ سکتی ہوں اور نہ آئندہ سمجھ سکتی ہوں۔''

ارجمند نے کہا۔ ''آپ نے بھی کن مخبوط الحواس بزرگ کا ذکر کیا ہے وہ یقیناً تھوڑا بہت اودھم مچائیں گے مگر ان کی پرواہ کس کو ہے۔ دوسرے میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ اگر ان سب کی طرف سے مخالفت بھی ہو تو ہم کو اس مخالفت کا مقابلہ کرنا چاہیے۔''

زبیدہ نے کہا۔ ''مقابلہ تو کرنا چاہیے مگر میں چرچے نہیں چاہتی۔ مجھے یہ چرچے اس لیے برے لگتے ہیں کہ زندگی کے اس سنجیدہ سمجھوتے کو عشق و محبت کی داستان سمجھ کر لوگ لیلیٰ مجنوں بنا کر چھوڑ دیتے ہیں۔ ان دونوں کو جو اپنی زندگی کی ایک راہ تلاش کر کے اس پر ساتھ ساتھ گامزن ہونا چاہیں۔''

ارجمند نے کہا۔ ''ان چرچوں سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم دونوں اعلان کر دیں کہ ہم نے زندگی کے ساتھی کی حیثیت سے ایک دوسرے کو قبول کر لیا ہے۔''

زبیدہ نے کہا۔ ''ابھی نہیں اس کا مناسب اور موزوں وقت جب آئے گا میں یہ اعلان بھی کر دوں۔''

ارجمند نے کہا۔ ''مگر ہم آپس میں تو یہ اعلان کر ہی چکے ہیں نا۔''

زبیدہ نے مسکرا کر کہا۔ ''ہاتھ میں ہاتھ دینے کے بعد بھی اگر آپ مجھ کو محض واکنگ اسٹک ہی سمجھ رہے ہیں تو دوسری بات ہے ورنہ میں نے تو اپنے آپ کو آپ کی سپردگی میں دے ہی دیا ہے۔''

اسی وقت گل رخ کی آواز نہایت سریلے نغمے میں ڈوبی ہوئی آئی۔ وہ آواز کی پوری مٹھاس کے ساتھ گا رہی تھی۔

زمیں گردوں سے ٹکرائی جہاں دل مل گیا دل سے

اور ان دونوں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور جب وہ کہیں نظر نہ آئی تو آواز پر کان دھرتے ہی ان کی نگاہیں اوپر اٹھ گئیں۔ گل رخ

اسی درخت کی ایک شاخ پر پیر پھیلائے نہایت اطمینان سے بیٹھی پھولوں کی ایک ڈالی سے کھیلتی جاتی تھی اور گاتی جاتی تھی۔ آخر ارجمند نے اس کو درخت سے اترنے کو کہا جس کی اس نے پوری تعمیل کی اور بجائے اس کے کہ دونوں اس بات کی شکایت کرتے کہ اس نے کیوں اس طرح ان کی باتیں سنی ہیں، اس نے خود ہی دوڑ کر زبیدہ کو لپٹاتے ہوئے کہا۔

”مجھے اس کی اس وقت سے خبر ہے جب خود تم کو بھی خبر نہ تھی۔ اور مجھ سے زیادہ کوئی بھی خوش نہیں ہو سکتا کہ تم کو کسی ذریعہ سے سہی اپنی کھوئی ہوئی مسرت مل تو گئی۔“ یہ کہا اور اس کی پیشانی کو چوما اور ایک طرف چل دی۔

یہ دونوں حیران کھڑے رہ گئے۔

نعیم کو تین چار روز سے بخار آ رہا تھا۔ تیمارداری تو سارا گھر ہی کر رہا تھا مگر علاج میں عجیب گڑبڑ یہ پیدا ہو گئی تھی کہ خالد تو اپنی دوا دے رہا تھا مگر حکیم صاحب قطعی طور پر فیصلہ کر چکے تھے کہ اگر ان کا علاج فوراً شروع نہ کیا گیا تو نعیم کا جانبر ہونا مشکل ہے۔ وہ کئی مرتبہ نسخہ لکھ چکے تھے، کئی مرتبہ دوا کو خود ہی جوش دے کر اور چھان کر اس کو بھجوا چکے تھے جو نہایت احتیاط سے اگالدان کو پلا دی جاتی تھی مگر آج مصیبت یہ درپیش تھی کہ وہ ایک لعوق بنا کر خود لے آئے تھے اور مصر تھے کہ ان کے سامنے ہی نعیم اس کو چاٹے۔ نعیم نے لاکھ عذر کئے کہ اس وقت متلی ہو رہی ہے میں تھوڑی دیر میں چاٹ لوں گا مگر حکیم صاحب نے ایک نہ سنی اور قریب تھا کہ وہ خود اپنی انگلی سے لعوق چٹانا شروع کر دیں کہ گل رخ نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کہا۔

”آپ کو ارجمند صاحب کسی ضروری کام سے بلا رہے ہیں۔“

حکیم صاحب نے ایک دم چونک کر کہا۔ ”مجھ کو؟ ۔۔۔۔۔۔۔ ارجمند؟ ۔۔۔۔۔۔۔ یہ کیا واہیات ہے کہ وہ خورد ہو کر مجھ کو بلائیں۔ میں نے تو آج تک یہ طریقہ نہ سنا کہ ٹانگ برابر کے چھوکروں کے اشاروں پر سفید داڑھی والے بزرگ ناچتے پھریں۔ ان صاحبزادے کو بھی تمیز نہ آنا تھی نہ آئی۔“

خالد نے کہا۔ ”ممکن ہے کوئی ایسا ہی کام ہو کہ آپ کا تشریف لے جانا ضروری ہو۔“

حکیم صاحب نے اپنی لاٹھی سے مشورہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ٹائی میں باندھ نہیں سکتا، چوڑی دار پاجامہ کی چوڑیاں میں مرتب نہیں کر سکتا، کرتے کی آستین میں نہیں چن سکتا، پھر آخر ان صاحبزادے کو میری کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ بہر حال، بہر کیف، بہر صورت ۔۔۔۔۔۔۔“

اور یہ کہتے ہوئے جب وہ باہر چلے گئے تو گل رخ نے اس لعوق میں سے تھوڑا سا حسب معمول اگالدان کو چٹا کر باقی میں کچھ انگلیاں بنا کر طشتری نعیم کو تھما دی کہ اس لیے رہے تا کہ وہ یہی سمجھیں کہ آپ نے چاٹ لیا ہے لعوق“

نعیم نے کہا۔ ”مگر مصیبت تو یہ ہے کہ جب ٹوسٹ کھاتا ہوں یا سوپ پیتا ہوں تو وہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ سخت بد پرہیزی ہے اور اس

طرح مرض بڑھتا ہی جائے گا وہ تو فاقہ ہی کرانا چاہتے ہیں نا۔ ‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’صاف صاف کہہ دیجئے نا کہ میں ڈاکٹر صاحب کی دوا پی رہا ہوں۔ ‘‘

خالد نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ’’خدا کے لیے یہ غضب بھی نہ کیجئے گا‘ میں ان سے حریفانہ تعلقات رکھ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’اچھا آپ نہ کہئے‘ میں علیحدگی میں ان کو سمجھا دوں گی کہ آپ کیوں خواہ مخواہ دخل دے رہے ہیں وہ ڈاکٹری علاج کے عادی ہیں۔ ان کو ڈاکٹری علاج کرنے دیجئے۔ ‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’ہاں یہ ٹھیک ہے بہرحال کسی طرح بھی میری جان بچایئے آپ لوگ۔ صبح انڈا اٹھا کر خود کھا گئے کہ یہ زہر ہے تمہارے لیے۔ ‘‘

اور اسی وقت ’’لاحول ولاقوۃ...... استغفراللہ‘‘ کہتے ہوئے حکیم صاحب تشریف لے آئے اور سر پکڑ کر بیٹھ گئے‘ خاموش یہاں تک کہ خود نعیم کو ان کی خیریت پوچھنا پڑی تو بولے۔

’’حضرت کیا عرض کیا جائے‘ عقل کام نہیں کرتی۔ وہ صاحبزادے کمرے میں موجود نہ تھے۔ میں نے ادھر ادھر ڈھونڈا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت گلفام بنے باغ کے پچھلے سبزہ زار پر لیٹے گانا گا رہے ہیں اور اسی سبزہ زار پر کچھ دور ہٹ کر عزیزہ زبیدہ سلمہا ہیں جو اس گانے کا جواب ادھر سے دے رہی ہیں۔ حضرت حیران ہی رہ گیا میں تو یہ منظر دیکھ کر۔ ایک مرتبہ اہل خانہ مرحومہ کے ساتھ ایک فلم دیکھنے چلا گیا تھا اس میں بھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی اسی طرح غنائی انداز میں مصروف گفتگو تھے۔ ‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’جی ہاں‘ اس کو ڈوئٹ کہتے ہیں یعنی دوگانہ‘‘

گل رخ نے بات ٹالنے کے لیے کہا۔ ’’بہرحال گانا گانا کوئی گناہ تو ہے نہیں آپ کو تو ہر بات پر اعتراض ہو جایا کرتا ہے۔ ‘‘

حکیم صاحب نے گل رخ کے بگڑتے ہوئے تیور کو دیکھ کر کہا۔ ’’نہ نہ اعتراض کون کافر کر رہا ہے‘ استعجاب کا اظہار کر رہا تھا میں یعنی تعجب‘ تحیر۔ اس لیے کہ ارجمند کا غنا سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ نہایت بے سرے اور نہایت بدآواز انسان ہیں میرے نزدیک نہ سر کے نہ تال کے۔ بہرحال میں نے ان سے جا کر پوچھا کیوں بلایا تھا مجھے تو ٹپٹا گئے اور صاف مکر گئے کہ میں نے تو نہیں بلایا۔

گل رخ نے کہا۔ ’’پھر آپ نے کیا کہا؟ میرا نام لے دیا ہوگا کہ میں نے کہا تھا۔ ‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’اجی نہیں میں کیوں کہتا وہ ہمیشہ کا لپاڑیا ہے‘ دروغ باف‘ کذاب کہیں کا۔ میں تو بس چلا آیا وہاں سے۔ مگر العجب ثم العجب کہ جس کا بھائی اس طرح بیمار پڑا ہو وہ بہن باغ میں جمناسٹک گا رہی ہو۔ ‘‘

نعیم ہنسی کے مارے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ خالد ہنستا ہوا بھاگا باہر اور گل رخ نے ہنستے ہوئے کہا۔ ’’جمناسٹک نہیں ڈوئٹ‘ ڈوئٹ‘‘ حکیم صاحب نے کسی کی ہنسی کی پرواہ کئے بغیر کہا۔ ’’وہی مطلب تھا میرا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو صاحب دنیا کا خون واقعی سفید ہو گیا ہے۔ مگر مجھے بڑی مسرت ہوئی

نعیم صاحب اس وقت آپ کو بشاش اور خندہ زن دیکھ کر اس کا مطلب یہ ہے کہ میری دوا اثر کر رہی ہے۔ یہ لعوق، ہاں کھایا بھی آپ نے لعوق‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’جی ہاں، یہ دیکھئے اتنا چٹا دیا ہے۔‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’اسی کی تو یہ کرامت ہے کہ اس قدر ان کو ہنسی آئی اور اس صحت کے ساتھ ساتھ یہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ جناب والا یہ لعوق میری خاص الخاص بیاض کے نسخے کی ہے اور اس قدر آزمودہ ہے۔۔۔۔۔۔ کہ راجہ صاحب کٹھاری کو تمام سول سرجنوں نے اور تمام لندن پاس کئے ہوئے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا۔ وہ اپنی وصیت لکھوا چکے تھے۔ اعزہ رو پیٹ کر صبر کر چکے تھے کہ مجھے خبر ہو گئی اور میں نے بھی لعوق ان کے لیے تجویز کیا۔ پندرہ سو روپے کا نسخہ لکھا تھا میں نے۔ یقین جانیئے کہ دونوں پھیپھڑے گل چکے تھے جگر اور تلی دونوں میں اس قدر ورم تھا دونوں بڑھ کر ایک دوسرے سے ٹکر رہے تھے۔ اور پیروں پر ورم آ چکا تھا اور جس وقت میں نے علاج شروع کیا ہے اس وقت ان کے کارندے قبرستان جا چکے تھے قبر کھدوانے مگر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کو میری عزت رکھنا تھی کہ اب جو وہ لعوق یعنی یہی لعوق چٹاتا ہوں تو اکھڑی ہوئی سانس کا نظام درست ہونا شروع ہو گیا دوسری مرتبہ کھلایا تو انہوں نے خود اپنے منہ سے پانی مانگا اور تیسری خوراک میں کہنے لگے کہ بھوک لگی ہے۔ چنانچہ جناب من آج کچھ تھے تو کل کچھ، نتیجہ یہ ایک ہفتہ کے بعد غسل صحت ہو گیا اور چار سال تک زندہ رہے۔ اب آپ نے خود تجربہ کر لیا ہے کہ ذرا سا لعوق چاٹا ہے اور ہنس رہے ہیں اس شدومد کے ساتھ۔‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’جی ہاں میں تو قائل ہو گیا اس اکسیر کا۔‘‘

حکیم صاحب نے طشتری میں سے تھوڑا سا لعوق اور اپنی انگلی میں لے کر کہا۔ ’’بسم اللہ یا شافی۔ لیجئے اور چاٹیئے اب کی مرتبہ آپ بستر سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔‘‘

گل رخ نے مداخلت کی۔ ’’جی نہیں، اتنی جلدی نہ کیجئے ہر دوا کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے یہ نہیں کہ علی الحساب چٹاتے ہی چلے جائیں۔‘‘

حکیم صاحب نے تیوری بدل کر کہا۔ ’’کیا مطلب یعنی طبیب میں ہوں اور معالج میں ہوں، نسخہ میرا ہے اور دوا کی ترکیب استعمال گویا تمہارے ذمہ ہے۔‘‘

پھر گل رخ کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر جلدی سے بولے۔ ’’میرا مطلب یہ ہے کہ تم بھی ٹھیک کہتی ہو میری دوا کے استعمال کی ترکیب تم نہ بتاؤ گی تو اور کون بتائے گا آخر ہو تو میری ہی چشم و چراغ گویا۔ بہتر ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد دینا۔ مگر ذرا چہرہ کی بشاشت دیکھ لو ابھی تھوڑی دیر پہلے ہلدی پھری ہوئی تھی چہرے پر اور اب ماشاء اللہ چشم بددور کیا رونق ہے کیا آب و تاب ہے۔ برخوردار اگر چالیس دن یہ لعوق پابندی سے کھا لو تو زندگی بھر قوت بحال رہے گی تمہاری، کچھ کھانے کو جی چاہتا ہے۔‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’جی اس لعوق کے علاوہ باقی سب کچھ۔‘‘

حکیم صاحب نے فرمایا۔ ’’بس ذرا آج اور کل فاقہ کر ڈالو اس لیے کہ یہ لعوق خلوئے معدہ میں پوری طرح اثر کر سکتا ہے۔ دوسرے خود اس میں اتنی غذائیت ہے کہ کسی اور خوراک کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’مگر میں آپ سے صاف صاف کہہ دینا چاہتی ہوں کہ یہ لعوق یا آپ کی کوئی دوا اگر ان کو نقصان کر گئی تو خواہ مخواہ آپ کی بدنامی ہوگی۔ ان کے مزاج کو عادت ہے انگریزی دواؤں کی۔‘‘

حکیم صاحب نے منہ بنا کر کہا۔ ’’یہ تو بد مزاجی ہوئی نہ ایک قسم کی۔ ایک تو میری دوا نا ممکن ہے نقصان کرے‘ دوسرے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے تو خود دیکھ لو کہ کس قدر فائدہ ہوا ہے ایک ہی مرتبہ لعوق چاٹ کر نقصان ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’جی نہیں پیدا ہوتا ہے یہ سوال۔ میں نے ان کو آپ کا لعوق استعمال ہی نہیں کرایا ہے ان کا علاج ڈاکٹری ہو رہا ہے اور اسی سے ان کو فائدہ ہے۔ آپ خواہ مخواہ علاج میں گڑبڑ نہ کریں۔‘‘

حکیم صاحب کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کو یہ بات سخت ناگوار گزری ہے۔ پہلے تو کھا جانے والی نظروں سے نعیم کو گھورا پھر گل رخ کی طرف دیکھ کر اپنے کو سنبھالا اور اپنا غصہ پی کر بولے۔ ’’اچھی بات ہے‘ اچھی بات ہے۔ مطلب تو فائدہ ہونے سے ہے۔ وہ کسی طریقہ علاج سے ہو۔ مگر یہ لعوق استعمال تو ضرور ہوا ہے۔‘‘

گل رخ نے اگالدان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ’’جی ہاں‘ وہ اس اگالدان کو استعمال کرایا گیا ہے محض آپ کی دلدہی کے لے مگر میں اس فضول تکلف کو غلط سمجھتی ہوں۔ یہ ٹھہرا دوا علاج کا معاملہ۔‘‘

حکیم صاحب پہلے تو خاموش بیٹھے رہے پھر لعوق کی طشتری اٹھا کر جاتے ہوئے بولے۔ ’’راجا صاحب کٹھاری زندہ ہوتے تو وہ بیان کر سکتے تھے اس لعوق کی معجزہ نمائی اور وہ چار سال کے بعد بھی نہ مرتے اگر یہ لعوق ان کو وقت پر مل جاتا۔‘‘

وہ یہ تمام باتیں اسی طشتری سے کرتے ہوئے چل دیئے۔

زبیدہ اور ارجمند کا باہمی ربط اب اس گھر کے ایک ایک فرد کے لیے معنی خیز بن چکا تھا۔ ڈاکٹر خالد غالباً گل رخ کے بعد دوسرے آدمی تھے جن کو ان دونوں کی اس بے پناہ باہمی دلچسپی کا اندازہ ہوا تھا اور اب تو نعیم اور ڈاکٹر خالد کی والدہ بھی بخوبی سمجھ چکی تھیں۔ ڈاکٹر خالد نے تو اس موضوع پر کسی سے کوئی بات کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی اور نہ اس کو اتنی فرصت تھی اس لیے کہ ان کی تمامتر توجہ کی مرکز گل رخ تھی جس کو بے خبر رکھ کر وہ نہایت خاموشی سے اس کی دماغی کیفیت کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھا اور اس کے لیے دماغی مرض کی یہ نوعیت سخت پیچیدہ تھی کہ گل رخ ایسی صحیح الدماغ‘ ذہین اور سلجھی ہوئی لڑکی کے متعلق اس کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ وہ باوجود اس طباعی کے دماغ کی خرابی میں

مبتلا ہے۔ کبھی کبھی اس کو گل رخ کی حد سے بڑھی ہوئی صاف گوئی اور کڑوے سے کڑوے سچ کو نہایت منہ پھٹ انداز سے بیان کر دینے پر اس کو یہ شبہ ضرور ہوتا تھا کہ ایک صحیح الدماغ انسان میں جو تکلف اور احتیاط یا اس کو منافقت کہہ لیجئے ہونا چاہیے وہ اس میں نہیں ہے اور جو کچھ اس کے دل میں آتا ہے وہ بے دھڑک کہہ ضرور گزرتی ہے۔ مثلاً یہ اندازہ اس کو کل رات ہی ایک دعوت کے موقع پر ہوا جس میں ڈاکٹر خالد نے اپنے دوست منصور کو مدعو کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ادبی اور شاعرانہ ذوق کو دیکھتے ہوئے مشہور شاعر حضرت شاہد کو بھی مدعو کر لیا تھا۔ چنانچہ کھانے کے بعد جب حضرت شاہد سے کلام سنانے کی فرمائش ہوئی تو سامعین میں سے دو کی داد عجیب و غریب تھی۔ ایک تو حکیم صاحب جن کو خود بھی شاعری کا دعویٰ ہے اور جو نہایت مربیانہ قسم کی داد دے رہے تھے۔

''میاں جیتے رہو ہر چند کہ کہنہ مشق نہیں ہو مگر ریاض کرتے رہو تو بڑی ترقی ہو گی۔'' وغیرہ۔

دوسری گل رخ تھی جس کی داد نہایت خطرناک بن جاتی تھی۔ اس لیے کہ اگر وہ اچھے شعر پر ''سبحان اللہ'' اور ''واہ واہ'' کہتی تھی تو برے شعر کو اسی آمادگی کے ساتھ ''لغو اور مہمل'' بھی کہہ گزرتی تھی اور حضرت شاہد جن کو غالباً یہ کھری کھری سننے کا زندگی میں پہلا موقع تھا پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ وہ نہایت ہی بے کسی کے ساتھ کھسیانی ہنسی ہنس کر رہ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب گل رخ کسی کام سے باہر گئی تو ڈاکٹر خالد نے سرگوشی میں شاہد صاحب کو یہ بتا دینا ضروری سمجھا کہ آپ گل رخ کی اس بے دھڑک تنقید پر ہرگز برا نہ مانیں اس لیے کہ وہ اس گھر کے ایک فرد کے علاوہ اس اسپتال کی ایک مریضہ کی حیثیت بھی رکھتی ہے چنانچہ اس کے بعد شاہد کو نہ صرف اطمینان ہو گیا بلکہ اب وہ بجائے سہمے ہوئے انداز سے اپنا کلام سنانے کے نہایت کھل کر سنانے لگے۔ مگر اب گل رخ نے ایک اور ہی بحث شروع کر دی جس کا موضوع یہ تھا کہ مشاعروں کے رواج نے ہماری شاعری کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ سب ایک طرف تھے کہ مشاعروں نے اردو کی تبلیغ کا فرض ادا کیا ہے مگر وہ یہی ثابت کر رہی تھی کہ مشاعروں کی بدولت شعراء کی تعداد خواہ کتنی ہی بڑھ گئی ہو مگر شعری معیار بلند ہونے کے بجائے پست ہو گیا ہے اس لیے کہ مشاعروں کی رواجی داد نے ان کو بھی شاعر ہونے کی غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے جو اور خواہ کچھ بھی ہوں مگر شاعر ہرگز نہیں ہیں لیکن وہ اپنے کو شاعر کیسے نہ سمجھیں جبکہ وہ بھی رواجی داد حاصل کر کے اپنے دماغ ٹھکانے کر بیٹھتے ہیں۔ پھر منصور نے کہا۔

''آخر اخلاق بھی کوئی چیز ہے۔ ظاہر ہے کہ مشاعرہ ایک مہذب محفل ہوتی ہے اس میں واقعی داد دینے کے علاوہ اخلاقاً بھی داد دینا ہی پڑتی ہے۔''

گل رخ نے کہا۔ ''تو جناب یا تو اخلاق بگھار لیجئے یا اپنے شعری ادب کو نکھار لیجئے۔ آپ اندازہ تو کیجئے کہ آپ کے ان شاعروں نے جو دراصل شاعر نہیں بلکہ مشاعر ہوتے ہیں۔''

شاہد صاحب نے بے ساختہ داد دی۔ ''مشاعر کا جواب نہیں۔ چونکہ وہ مشاعروں کے شاعر ہوتے ہیں لہٰذا شاعر یا متشاعر نہیں بلکہ مشاعر آپ نے خوب کہا۔''

گل رخ نے بے پروائی سے کہا۔ ’’جی ہاں، میں ان کو صرف مشاعر کہتی ہوں اور ان میں میم انکاری سمجھ لیجیے یعنی وہ شاعر ہوتے ہی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان کے کلام پر کیوں داد دی جائے اور ان کو ان کی اصل اوقات کیوں نہ سمجھائی جائے۔‘‘

منور نے کہا۔ ’’تو آپ کے خیال میں مشاعرے ہونا ہی نہ چاہئیں۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’جی ہاں یا تو مشاعرے ختم کر دیے جائیں یا مشاعروں میں اس اخلاقی جرات سے کام لیا جائے کہ اگر کسی کے اچھے شعر پر واہ واہ اور سبحان اللہ کے ڈونگرے آپ برسائیں تو برے شعر پر لاحول ولا قوۃ اور استغفر اللہ بھی کہیں۔ اگر اچھا شعر سن کر آپ یہ کہیں کہ مکرر ارشاد تو برے شعر پر یہ بھی کہیں کہ خدا کے لیے اب نہ پڑھیے گا اسے۔‘‘

شاہد نے ہنس کر کہا۔ ’’ارے توبہ ہے آپ مشاعرے میں لٹھ چلوانا چاہتی ہیں۔‘‘

حکیم صاحب اس بحث سے الجھ چکے تھے لہٰذا موضوع بدلتے ہوئے بولے۔ ’’بہر حال، بہر صورت، بہر کیف، زحمت تو ہو گی کوئی اور غزل ارشاد ہو۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’آپ نے اب تک جتنی غزلیں سنائی ہیں بحریں بدلی ہوئی تھیں۔ ردیف اور قافیہ بدلے ہوئے تھے مگر باتیں سب وہی تھیں وہی منزل قافیہ ہے تو پہلے مصرعہ میں جادہ یا کارواں لے آئے ساحل قافیہ ہے تو کچھ گرداب وغیرہ کا ذکر کر دیا۔‘‘

شاہد نے ہنس کر کہا۔ ’’تو کیا آپ کے خیال میں منزل قافیہ ہو تو سوٹ کیس کا ذکر کیا جائے اور ساحل قافیہ ہو تو ناشپاتی کا تذکرہ ہونا چاہیے؟‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’جناب والا یہ طنز نہ فرمائیے بلکہ ذرا غور کیجیے کہ کوئی آخر کب تک گل کے ساتھ بلبل، ساحل کے ساتھ طوفان اور منزل کے ساتھ گرد کارواں کی باتیں سنتا رہے۔ آخر آپ حضرات کو نئے مسائل اور نئے موضوع کیوں نہیں ملتے؟‘‘

شاہد نے کہا۔ ’’یعنی غزل میں اسپورٹس کا ذکر ہونا چاہیے، ناقہ لیلیٰ کے بجائے ہیلی کوپٹر کا تذکرہ ہونا چاہیے۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’میرے خیال میں ضرور ہونا چاہیے یا یہ تسلیم کر لیجیے کہ آپ کی شاعری زمانہ سے پیچھے ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کے اشعار میں دل اور جگر کا ذکر تو ہوتا ہے معدے کا کیوں نہیں ہوتا حالانکہ معدہ ایک زندہ حقیقت ہے۔ دل اور جگر کی کیفیات جتنی مفروضہ ہیں معدے کی واردات اتنی ہی واقعاتی ہیں۔ پیٹ میں تو آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں اور دل ہے کہ ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے بھوک کے بجائے عشق کو اور روٹی کے بجائے حسن کو موضوع سخن بنانا کیسا سفید جھوٹ ہے۔ آخر اس جھوٹ پر آپ کب تک اپنی شاعری کو زندہ رکھیں گے؟‘‘

حکیم صاحب اب سخت عاجز آ چکے تھے۔ زمین پر اپنی لاٹھی بجا کر بولے۔ ہوتا ہے بابا شاعری میں یہی ہوتا ہے، غزل میں یہی ہوتا ہے۔ غزل ان ہی آلام و افکار کا غم غلط کرنے کے لیے ہوتی ہے جن کو تم موضوع غزل بنانا چاہتی ہو۔ ہاں تو شاہد صاحب ارشاد‘‘

گل رخ نے کڑے تیوروں سے حکیم صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ بات کو بیچ ادھڑ میں ختم کرا کے مجھ کو اس لغو شاعری کا قائل نہیں کر سکتے جو سوائے شغل بے کاری کے اور کچھ نہیں ہے۔''

حکیم صاحب ڈر گئے۔ ''نہیں نہیں، میرا مطلب یہ نہیں ہے میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ تم سچ کہتی ہو تمہارا نقطہ نظر بالکل درست ہے مگر اس وقت شاہد صاحب کا کلام سنتے تو اچھا تھا۔''

گل رخ نے کہا۔ ''اور شاہد صاحب کو جھوٹی داد دے کر غلط فہمی میں مبتلا کرتے تو اور بھی اچھا تھا۔ آخر اس تصنیع اوقات سے کیا فائدہ۔ ہم اس کے بجائے یہ مفید کام کر سکتے ہیں کہ شاہد صاحب کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ رواجی اور روایتی شاعری چھوڑ کر اپنی شاعری کا رخ زمانہ کی طرف موڑ دیں۔''

شاہد نے کہا۔ ''زمانے کی طرف اگر میں نے رخ موڑ دیا تو فلمی گانے لکھنے لگوں گا۔''

گل رخ نے نہایت وثوق سے کہا۔ ''میں فلمی گانوں کی بے حد قدر کرتی ہوں۔ ان میں باتیں وہی فرسودہ سہی مگر طرز ادا کم سے کم نیا ضرور ہوتا ہے اور اصلیت سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ مثلاً

دھک دھک جیا کرے دھک
انکھیوں میں انکھیاں ڈال کے نہ تک

حکیم صاحب نے کہا۔ ''استغفر اللہ، یہ کیا بکواس ہے؟''

گل رخ نے کہا۔ ''یہ بکواس نہیں ہے بلکہ ایک کیفیت کی نہایت صحیح مصوری ہے اور ہے اور یہ فلمی گانا اس قسم کے اشعار سے بدرجہا بہتر ہے کہ

منہ پھیر لیا ناز سے شرما کے کسی نے
دل تھام لیا تیر نظر کھا کے کسی نے

شاہد نے کہا۔ ''شعر بھی کیا دقیانوسی آپ نے یاد رکھا ہے۔

گل رخ نے کہا۔ ''جناب معاف کیجئے گا اس قسم کے موضوع کا ہر شعر سوائے دقیانوسی ہونے کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ شعر اور یہ فلمی گانا مجھے اس وقت یاد آیا تھا جب آپ اپنا یہ شعر سنا رہے تھے۔

الٰہی خیر ہو ان کی نگاہیں اٹھتی جاتی ہیں
ادھر دل ہے کہ پھر قابو سے باہر ہوتا جاتا ہے

حکیم صاحب نے داد دی۔ ''سبحان اللہ، سبحان اللہ، کیا شعر ہوا ہے۔''

گل رخ نے بلبلا کر کہا۔ جی نہیں اس سے کہیں صحیح عکاسی فلمی گانے میں موجود ہے۔"

حکیم صاحب ڈر کر بولے۔ "اس کا تو خیر کہنا ہی کیا۔"

اور حکیم صاحب کی اس بے کسی پر نعیم اور خالد دونوں کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ آخر اس موضوع کو بدلنے کے لیے ڈاکٹر خالد نے کہا۔

"بھئی نہ یہ شاعری اپنے بس کی ہے نہ یہ تنقید۔ اپنا تو دماغ ہی چکرا کر رہ گیا لہٰذا ختم کیجئے یہ ذکر۔ سوال یہ ہے منصور صاحب کہ آپ اتنے دن کے بعد آئے بھی تو ہوا کے گھوڑے پر سوار آئے۔"

منصور نے اپنی مجبوریاں اور اپنی تجارتی اور کاروباری مصروفیت کا ذکر اس تفصیل سے شروع کیا کہ آخر زبیدہ اور گل رخ دونوں ہی وہاں سے ٹل گئیں۔ حکیم صاحب کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے اونگھ گئے اور اب ڈاکٹر خالد نے نہایت تفصیل سے حضرت شاہد سے معافی مانگی اور گل رخ نے اپنی دماغی کیفیت کے تحت محفل کو بے لطف کر دیا مگر نہ تو شاہد صاحب اس کے قائل ہو سکے کہ گل رخ کے دماغ میں کوئی خرابی ہے یا منصور صاحب۔ ان دونوں کی رائے یہی تھی کہ ایسی بال کی کھال نکالنے والی طباع لڑکی کو پاگل کہنا بجائے خود پاگل پن ہے۔ خالد نے اسے بتایا کہ اس کے باوجود کہ اس کے دماغ میں خلل ہے اور اسی لیے یہ نہایت پیچیدہ نوعیت ہے۔ مرض کی یہاں یہ بحث جاری تھی اور ادھر ارجمند بھی اس محفل میں اٹھ کر پائیں باغ میں جا چکے تھے جہاں زبیدہ ان کی منتظر تھی۔

ڈاکٹر خالد کو آج کل ڈاکٹری کے علاوہ سی آئی ڈی والوں کی خدمات بھی انجام دینا پڑ رہی تھیں اس لیے کہ وہ بظاہر نہایت غیر متعلق رہ کر نہایت گہرے تعلق کے ساتھ اپنی پوری توجہ گل رخ کی طرف مبذول کئے ہوئے تھا اور اس کی بے ساختگیوں کا مطالعہ کرنا چاہتا تھا جن میں اس کے ارادے کو کسی قسم کا کوئی دخل نہ ہو۔ گل رخ کو اس کی خبر بھی نہ تھی کہ ڈاکٹر خالد سائے کی طرح ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور اس کی ایک ایک نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ ڈاکٹر خالد کے لیے گل رخ کی مزاجی کیفیت واقعی ایک معمہ بنی ہوئی تھی۔ وہ اس کی ذہانت اور سوجھ بوجھ اور سلجھی ہوئی باتوں کو بھی دیکھتا تھا مگر چونکہ اس کو یہ یقین دلا دیا گیا تھا کہ اس کے دماغ میں خلل بھی ہے لہٰذا وہ بعض نہایت سیدھی سادی باتوں کو بھی اسی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں ان باتوں میں دیوانگی کا شائبہ تو نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب ڈاکٹر خالد نے اس کا غائر مطالعہ شروع کیا تو اس کا اندازہ ہوا کہ کبھی کبھی وہ واقعی کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور کر جاتی ہے جو کوئی صحیح الدماغ انسان بمشکل ہی کر سکتا ہے مثلاً آج ہی اس نے دیکھا کہ گل رخ نہایت سنجیدگی کے موڈ میں کوٹھی کے برآمدے سے نکل کر نرسنگ ہوم کی طرف جاتے ہوئے ایک بوڑھی نرس کو روک کر کھڑی ہو گئی۔

"سسٹر ذرا میری بات سنو۔ ذرا اپنا ہاتھ دکھاؤ۔ میں تمہاری زندگی کے اگلے پچھلے واقعات معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

خالد یہ دیکھتے ہی قریب ہی ایک طرف اوٹ لے کر کھڑا ہو گیا اس لیے کہ گل رخ نے یہ بات اپنے معمول کے خلاف ایک دم سے شروع کر

دی تھی وہ کان لگا کر نرس کی اور اس کی باتیں سننے لگا۔

گل رخ نے نہایت غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کیا عمر ہے سسٹر تمہاری؟‘‘

نرس نے کہا۔ ’’بی بی میرا پچپن واں برتھ ڈے اب کی ۱۴ فروری کو ہوگا۔‘‘

گل رخ نے ایک دم سے ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ ’’پچپن سال؟ ۔۔۔۔۔ غلط ہے۔ اور اگر صحیح ہے تو تم کو مرے ہوئے چھ سال ہو چکے ہیں۔ سسٹر تم مر چکی ہو۔‘‘

اس نے گھبرا کر کہا۔ ’’میں مر چکی ہوں؟ مگر میں تو زندہ ہوں۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’یہ تو نہیں ہوا کہ تمہارا ہاتھ کسی حادثہ میں کبھی کٹ گیا ہو اور کسی سرجن نے یہ دوسرے کا ہاتھ تمہارے لگا دیا ہو۔‘‘

اس نے متوحش انداز سے کہا۔ ’’یہ کبھی نہیں ہوا‘ میرا ہاتھ کبھی نہیں کٹا۔ یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’میں وہی باتیں کر رہی ہوں جو تمہارا ہاتھ بتا رہا ہے۔ اے مرحومہ تم کو انتقال کئے چھ سال ہو چکے۔‘‘

نرس نے جز بز ہو کر کہا۔ ’’مگر میں تو زندہ ہوں جیتی جاگتی آپ کے سامنے موجود ہوں۔‘‘

گل رخ نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔ ’’تم غلط زندہ ہو‘ تمہاری یہ زندگی اتنی سچی نہیں ہے جتنی تمہارے ہاتھ میں عمر کی لکیر سچی ہے تم اس وقت رحلت کر گئی تھیں جب تمہاری عمر انچاس سال کی تھی۔‘‘

نرس نے کچھ متفکر ہو کر کہا۔ ’’کیا بتاؤں میں‘ ایک تو مجھے ہاتھ کی لکیروں سے زیادہ اپنا اعتبار ہے۔ دوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ سے ہاتھ دیکھنے میں غلطی ہوئی ہو۔‘‘

گل رخ نے چونک کر کہا۔ ’’مجھ سے غلطی؟ یہ کیا کہا تم نے؟ اچھا میں تم کو اور باتیں بتاتی ہوں‘ دیکھو وہ کس قدر سچی ہیں۔ مثلاً تم جس شخص سے شادی کرنا چاہتی تھیں اور جس سے تم کو محبت تھی وہ نہایت بے وفا نکلا۔‘‘

نرس نے اپنا ہاتھ گھسیٹ کر کہا۔ ’’وہ جانور تھا‘ وحشی تھا۔ اس نے میری وفاؤں کی قدر نہ کی اور ایک دوسری چڑیل پر مر مٹا۔‘‘

گل رخ نے پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ ’’مگر اس کو تم سے شادی کی ضرورت اس لیے محسوس نہیں ہوئی کہ تم بغیر شادی کے اس کی بیوی بنی ہوئی تھیں۔‘‘

نرس نے سرگوشی کے ساتھ خوشامد کی۔ ’’یہ بات کسی سے نہ کہئے گا۔ اس میں بھی اس بدمعاش کی بدمعاشی تھی۔ اس نے مجھ کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا تھا کہ میں تم سے شادی ضرور کر لوں گا۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’تم ایک مرتبہ ایسی بیمار پڑی تھیں کہ زندگی کی امید باقی نہیں رہی تھی۔‘‘

نرس نے چونک کر کہا۔ ’’جی ہاں، جی ہاں، مجھے ڈبل نمونیہ ہو گیا تھا۔‘‘

گل رخ نے ہاتھ کو غور سے دیکھ کر کہا۔ ’’تمہارا دل جتنا اچھا ہے دماغ اتنا اچھا نہیں ہے۔‘‘

نرس نے کہا۔ ’’یہ بھی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میں بڑی ہی رحمدل واقع ہوئی ہوں اور کسی کی شکایت کبھی یاد نہیں رکھتی۔ رہ گیا دماغ وہ تو اسی کم بخت نے کسی کام کا نہیں چھوڑا جس نے میری زندگی ہی تباہ کر کے رکھ دی۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’اچھا اب ایک بات صاف صاف بتاؤ کہ تم کو جو خزانہ ملنا چاہیے تھا وہ مل چکا ہے یا نہیں؟‘‘

نرس نے ہکا بکا ہو کر کہا۔ ’’خزانہ کیسا؟ ۔۔۔۔۔۔ خزانہ وزانہ تو کوئی بھی نہیں ملا مجھے۔‘‘

گل رخ نے ہاتھ کی ایک لکیر پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ ’’اگر نہیں ملا ہے تو اب ملے گا، تمہارے کوئی دور کے رشتہ دار کسی دوسرے ملک میں گئے ہوئے ہیں؟‘‘

نرس نے یاد کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ’’میرا رشتہ دار تو کوئی بھی ۔۔۔۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے، میری ایک پھوپھی کا بیٹا کئی سال ہوئے کچھ قتل وتل کر کے افریقہ بھاگ گیا تھا۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’بس تو ٹھیک ہے وہ لکھ پتی بن چکے ہیں اور ان کی وارث اب صرف تم ہو اور ان کی تمام دولت تم کو ملنے والی ہے۔ اچھا اچھا اب میں سمجھی، تم چھ برس ہوئے جب مری تھیں تو تمہارے جسم میں اسی لیے شیطان سما گیا تھا کہ جب تم کو دولت مل جائے اس وقت تم مر سکو۔ اصل میں تم مر چکی ہو مگر شیطان تم میں سمایا ہوا ہے۔‘‘

نرس نے ڈرتے ہوئے کہا۔ ’’اب مجھے خود اپنے آپ سے ڈر لگنے لگا۔ میں ہرگز وہ خزانہ قبول نہ کروں گی خواہ وہ کتنی ہی دولت کیوں نہ ہو۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’اب تم کو یقین آیا کہ میں ہاتھ دیکھنے میں غلطی نہیں کر سکتی اور تم واقعی مر چکی ہو۔‘‘

یہ سن کر اس نرس نے خود اپنی موت پر رونا شروع کر دیا اور گل رخ نے اس کو سمجھانا شروع کیا۔ ’’اب کیوں رو رو کر ہلکان ہو رہی ہو۔ خدا کو جو منظور تھا وہ پورا ہوا۔ خدا تم کو جنت نصیب کرے اور خدا تم کو صبر جمیل بھی عطا کرے۔ جاؤ مرحومہ جاؤ اپنا کام کرو یہ دنیا تو سرائے فانی ہے جو پیدا ہوا ہے وہ ایک نہ ایک دن مرے گا ضرور۔ اب صبر کرو۔‘‘

جب نرس آنسو پونچھتی ہوئی اور شدت گریہ سے شانے اچکاتی ہوئی چلی گئی تو ڈاکٹر خالد یہ سمجھ کر کہ گل نے بیچاری نرس کے ساتھ کس قدر شدید قسم کی شرارت کی ہے ہنستے ہوئے باہر آ گئے اور گل رخ سے کہا۔

’’یہ بھلا تمہاری کون سی شرارت ہے کہ بے چاری نرس کو جیتے جی مار ڈالا تم نے؟‘‘

گل رخ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ’’شرارت؟ شرارت کیسی ۔۔۔۔۔۔ وہ واقعی چھ سال ہوئے مر چکی ہے اور آپ اپنے نرسنگ ہوم

میں ایک چھ سال کی بوسیدہ لاش کو ملازم رکھے ہوئے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ وہ مرچکی ہے۔ ہائے بے چاری مرحومہ جسے اپنے لیے خود رونا پڑا۔‘‘

ڈاکٹر خالد نے غور سے گل رخ کا چہرہ دیکھا تو وہ بے حد سنجیدہ تھی اور اس پر اس نرس کی موت کا شدید اثر معلوم ہوتا تھا جواب تک زندہ تھی۔ ڈاکٹر خالد کو اپنی طرف سے غور سے دیکھتا ہوا دیکھ کر گل رخ نے کہا۔

’’آپ کو یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ مرچکی ہے اور اس میں شیطان سمایا ہوا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ یہ واقعہ ہے میں پامسٹری میں غلطی نہیں کرسکتی۔‘‘

خالد نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔’’ذرا مجھے بھی دیکھ کر بتا دیجیے کہ مجھے مرے ہوئے کتنے دن ہوچکے۔‘‘

گل رخ نے کہا۔’’جناب میرا مذاق اڑا رہے ہیں، بہتر ہے کر لیجیے مذاق مگر میں شرط لگا سکتی ہوں کہ چھ سال کی یہ مری ہوئی نرس اب اپنی زندگی نہیں جی رہی ہے۔ وہ دیکھیے ذرا وہ۔۔۔۔۔۔‘‘

گل رخ نے جس طرف اشارہ کیا تھا اس طرف خالد نے جو دیکھا تو زبیدہ اور ارجمند دونوں نہایت بے تکلفی سے گھاس پر بیٹھے ہوئے راز و نیاز میں مصروف تھے۔ گل رخ نے کہا۔

’’اچھا ہے جو ہوجائے۔۔۔۔۔۔۔ گل و بلبل‘‘

خالد نے پوچھا۔’’گل و بلبل؟ یعنی تمہارے خیال میں نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے۔‘‘

گل رخ نے مسکراتے ہوئے کہا۔’’دونوں ایک دوسرے کو پسند کرچکے ہیں اور ان دونوں کا سنجوگ بڑا آئیڈیل رہے گا۔ میں تو آپ سے کہتی ہوں کہ اس معاملہ میں پڑ کر یہ ثواب کما ہی لیں۔ یہ دونوں ہی بے زبان دعائیں دیں گے۔‘‘

خالد نے گل رخ کے ذہن کو کریدنے کے لیے کہا۔’’مگر کچھ معلوم تو ہو یہ ارجمند صاحب ہیں کون؟ تعجب ہے کہ تم بھی ان کو نہیں جانتیں۔‘‘

گل رخ نے کہا۔’’جتنا میں جانتی ہوں اتنا ہی آپ بھی جانتے ہیں۔ میں نے ان کو ابا جان کے پاس اکثر دیکھا ہے اور اب تو ایک مدت سے یہاں بھی دیکھ رہی ہوں۔ آدمی بھلا ہی معلوم ہوتا ہے۔‘‘

خالد نے کہا۔’’تم دوسروں کی سفارش تو مجھ سے کرتی ہو اور یہ چاہتی ہو کہ میں بیچ میں پڑوں۔ سوال یہ ہے کہ ہم دونوں کی سفارش کون کرے گا اور ہمارے بیچ میں کون پڑے گا؟‘‘

گل رخ نے ساری کا آنچل درست کرتے ہوئے کہا۔’’ہم کو کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں ہم اپنے وکیل خود ہیں مگر یہ قصہ اس وقت

تک التوا میں پڑا رہے گا جب تک زبیدہ اور ارجمند کا قصہ طے نہیں ہوتا۔ زبیدہ کے سلسلہ میں نعیم صاحب کو آپ راضی کر سکتے ہیں۔"

خالد نے کہا۔ "نعیم کو راضی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر امی جان راضی ہیں تو نعیم کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

یہ دونوں زبیدہ اور ارجمند ہی کے متعلق باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

ڈاکٹر خالد کی والدہ بظاہر سب سے غیر متعلق اور سب سے الگ تھلگ اپنی نماز و وظائف وغیرہ میں مصروف رہتی تھیں مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ بالکل ہی تارک الدنیا ہو چکی تھیں اور ان کو کچھ خبر ہی نہ تھی کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ دیکھتی سب کچھ تھیں مگر اپنے وقار کو قائم رکھتے ہوئے دخل بہت کم دیتی تھیں۔ وہ خود بھی زبیدہ اور ارجمند کے بڑھتے ہوئے پینگ کچھ دن سے دیکھ رہی تھیں۔ مگر مہر بلب تھیں اور سوائے خاموش مطالعہ کرنے کے ابھی تک کسی سے کچھ نہ کہا تھا مگر آج جب گل رخ نے اسی ارادہ سے ان کے پاس آ کر یہ ذکر چھیڑا تو وہ ایک دم سے ابل پڑیں۔

"بیٹی! میں تو خود کچھ دن سے یہ رنگ دیکھ رہی ہوں اور حیران ہوں کہ یہ آخر گل کیا کھل رہا ہے۔"

گل رخ نے کہا۔ "اس میں گل کھلنے کی کیا بات ہے۔ یہ تو بہت ہی اچھا ہوا کہ آپ کو زبیدہ کی مرضی معلوم ہو گئی اور یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ ارجمند صاحب بھی اس کو پسند کرتے ہیں۔ ایسی پسند کی شادی سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ میں نے تو ڈاکٹر صاحب سے کہا تھا کہ نعیم صاحب سے کہہ کر یہ سنجوگ کرا ہی دیا جائے مگر وہ کہتے ہیں کہ فیصلہ نعیم صاحب کو نہیں بلکہ آپ کو کرنا ہے۔"

ڈاکٹر خالد کی والدہ نے کچھ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل کے انداز سے کہا۔ "کیا کہوں بیٹی سمجھ میں نہیں آتا کچھ۔ خیر نعیم بے چارے سے تو پوچھنا ہی کیا میں اس غریب سے اگر کہوں کہ اندھے کنویں میں پھاند پڑ تو وہ آنکھ بند کر کے پھاند پڑے۔ مگر میں تو حیران ہوں کہ یہ صاحبزادی بچپن کی منگیتر ہیں میرے خالد کی ساری دنیا جانتی ہے اور خاندان بھر کو اس بات کا علم ہے۔"

گل رخ نے کہا۔ "چھوڑیئے بھی آپ ان پرانی باتوں کو۔ وہ زمانہ گیا جب ٹھیکروں میں منگنی ہوا کرتی تھی۔ اب جہاں تک ڈاکٹر صاحب کا سوال ہے وہ بھی اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ زبیدہ سے ان کا یہ رشتہ قائم ہو خود زبیدہ بھی ارجمند کو پسند کر چکی ہے ان حالات میں سوائے اس کے اور ہو ہی کیا سکتا ہے کہ ہنسی خوشی ان دونوں کو ایک دوسرے کا بنا دیا جائے۔"

ڈاکٹر خالد کی والدہ نے کہا۔ "وہ تو جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر ہی رہے گا مگر عقل چکر میں ہے کہ یہ ہو کیا گیا۔ زبیدہ تو مالا جپا کرتی تھی خالد کے نام کی۔ اچھا میں خالد سے مشورہ کر کے کچھ بتاؤں گی تم ذرا اس کو میرے پاس تنہائی میں بھیج دو میں آج اس سے یہ بات کر ہی لوں اور خود تم ذرا خیال رکھنا کہ کوئی اور ادھر نہ آئے۔"

گل رخ فوراً سمجھ گئی کہ محترمہ بیٹے سے بات کرنے کے لیے ایسی تنہائی چاہتی ہیں کہ وہ خود بھی نہ ہو۔ لہٰذا اس نے ڈاکٹر خالد کے پاس جا کر

ان کو تو ادھر روانہ کر دیا اور خود ڈاکٹر خالد کے کپڑوں کے الماری سے وہ تمام کپڑے نکال کر بیٹھ گئی جو ابھی دھوبی کے یہاں سے آئے تھے۔ اس لیے کہ یہ اس کا معمول تھا کہ دھوبی کے یہاں سے دھلائی کے آتے ہی وہ ایک ایک کپڑا دیکھ لیا کرتی تھی کہ دھوبی نے جتنے بٹن توڑ دیے ہوں وہ لگا دے اور جتنے کپڑے پھاڑے ہوں وہ سی دے اور کوئی کپڑا ایسے نہ چھوڑے جو پہننے کے ارادے سے نکالا جائے اور ۔۔۔۔۔۔۔ کسی وجہ سے پہنا نہ جا سکے۔ وہ تو ادھر اس کام میں مصروف ہو گئی ادھر ڈاکٹر خالد جب اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو اپنا منتظر پایا۔ چنانچہ بیٹے کو دیکھتے ہی وہ بولیں۔

”خالد میاں میں نے تم کو بڑے ضروری مشورے کے لیے بلایا ہے مگر تم کسی کام میں مصروف تو نہ تھے۔“

خالد نے کہا۔ ”جی نہیں میں مطب ختم کر چکا ہوں اور فی الحال کوئی ضروری کام بھی نہ تھا۔ آپ فرمایئے۔“

والدہ نے ان کے قریب کھسکتے ہوئے کہا۔ ”بیٹا میں چند دن سے زبیدہ اور ارجمند کے غیر معمولی میل جول کو دیکھ رہی ہوں اور میں ہی کیا یہ بات تو اب اتنی کھل چکی ہے کہ آج گل رخ تک نے مجھ سے یہی بات کی ہے کہ بلکہ وہ تو کہہ رہی تھی کہ وہ شاید تم سے بھی بات کر چکی ہے۔“

خالد نے لاپروائی سے کہا۔ ”اس بات کو آپ بڑی ضروری بات کہہ رہی تھیں، میں تو گھبرا گیا تھا کہ نہ جانے کیا بات ہے۔ زبیدہ اور ارجمند والا قصہ تو بہت دنوں کا ہے اور اب ہم لوگوں کا اس کے متعلق کچھ سوچنا اس لیے بیکار ہے کہ جو کچھ طے کرنا ہے وہ دونوں آپس میں ہی طے کر چکے ہیں۔“

والدہ نے بڑی تشویش سے کہا۔ ”میاں یہ تو بتاؤ کہ دنیا کیا کہے گی۔ کس کو نہیں معلوم کہ زبیدہ تمہاری بچپن کی منگیتر ہے، ساری برادری کو یہ بات معلوم ہے اب ایک دم سے ارجمند کا نام جو اس کے لیے جائے گا تو ہزار باتیں بنائی جائیں گی کہنے والوں کا منہ کون بند کر سکتا ہے۔“

خالد نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا۔ ”خیر یہ کوئی بات نہیں بچپن کی منگنی اگر ایک غلطی ہے تو اس سے بڑی غلطی یہ ہے کہ اس غلطی پر اصرار کیا جائے اور اس کو نباہنے کے لیے غلطیوں کا ایک تسلسل قائم کر دیا جائے۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسی کسی بچے کی پیدائش کے وقت ہی طے کر دیا جائے کہ یہ بچہ پڑھ کر وکیل بنے گا اور اس کے لیے ایک قانونی کتب خانہ بھی ترتیب دے دیا جائے گاؤن بھی سلوا کر رکھ دیا جائے اور اس کا دفتر بھی سجا دیا جائے مگر وہ صاحبزادے بجائے قانون سے دلچسپی لینے کے لیے مصور بننا شروع کر دیں اور آرٹسٹ بن جائیں۔“

والدہ نے الجھ کر کہا۔ ”تم تو بیٹا نہ جانے کیا بحث لے کر بیٹھ گئے یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم خود بھی ولایت سے واپس آنے کے بعد سے زبیدہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور اب زبیدہ نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ اس کو بھی تم سے دلچسپی نہیں ہے مگر مجھے تو یہ الجھن ہے کہ تم جس گل رخ کی وجہ سے زبیدہ کی طرف متوجہ نہیں رہے ہو، یہ میں نہیں کہتی کہ اللہ نہ کرے اس میں کوئی عیب ہے میں خود اس کو ہزار دو ہزار میں ایک سمجھتی

ہوں لکھی پڑھی، سلیقہ کی، سعادت مند اور میری تو ایسی خدمت گزار ہے کہ دل سے دعا نکلتی ہے مگر بیٹا جس کا دماغ ہی ٹھکانے نہ ہو اس کا کیا بھروسہ۔"

خالد نے کہا۔ "خیر میرا اور گل رخ کا قصہ تو آپ فی الحال رہنے دیجئے سب سے پہلے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ زبیدہ کا نام میرا ساتھ لینا آپ چھوڑ دیں اور اب زبیدہ اور ارجمند کے سنجوگ کی تیاریاں کریں۔"

والدہ نے کہا۔ "نعیم بھی سنے گا تو کیا کہے گا اور میں اس سے مشورہ بھی کروں تو کس منہ سے کروں؟"

خالد نے کہا۔ "آپ کی اس مشکل کو میں سمجھتا تھا لہٰذا یہ مشکل میں نے آسان کر دی ہے اور خود نعیم سے اس سلسلہ میں بات کر چکا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ نعیم بے چارے تو چرغ قسم کے آدمی ہیں اور وہ اعتقاداً شادی بیاہ کو ذاتی فعل اور ذاتی ذمہ داری کا معاملہ سمجھتے ہیں۔ جب میں نے ان کی توجہ ارجمند اور زبیدہ کے موجودہ تعلقات کی طرح مبذول کی تو وہ بجائے چونکنے کے نہایت اطمینان سے کہنے لگے کہ جی ہاں میں خود بھی ان تعلقات اور ان مراسم کو نہایت معنی خیز سمجھتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ یہ دونوں جلد کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔"

والدہ نے کہا۔ "بس تو پھر کیا ہے ذرا نعیم میاں کو بلا لیتے تا کہ وہ بھی اس مشورے میں شریک ہو جاتے۔"

خالد نے کہا۔ "آپ مشورہ کر کے دیکھ لیجئے وہ سب کچھ آپ پر ہی چھوڑ دیں گے۔ میں ابھی لاتا ہوں ان کو بلا کر۔"

والدہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "جب تک میں بھی عصر کی نماز پڑھ لوں تم لے ہی آؤ ان کو۔"

خالد کو فکر صرف یہ تھی کہ کہیں حکیم صاحب نعیم کو گرفتار کئے نہ بیٹھے ہوں، اس لیے کہ نعیم عموماً ان ہی کی حراست میں رہتا تھا مگر شکر ہے کہ اس وقت حکیم صاحب موجود نہ تھے۔ لہٰذا خالد نعیم کو پکڑ ہی لایا اور والدہ کی خدمت میں پیش کر دیا جواب نماز پڑھ چکی تھیں۔ نعیم کے خاموش تجسس پر خالد نے خود ہی بتا دیا۔

"ارے بھئی کوئی خاص بات نہیں وہی زبیدہ اور ارجمند والا قصہ ہے۔"

والدہ نے کہا۔ "لو اور سنو یہ گویا کوئی خاص بات ہی نہیں۔"

نعیم نے کہا۔ "اچھا تو کیا اس قصہ میں کوئی خاص بات بھی پیدا کی گئی ہے۔"

والدہ نے کہا۔ "اے بیٹا یہی خاص بات کیا کم ہے کہ مشہور تو یہ ہے کہ زبیدہ کی شادی ہو گی خالد سے اور شادی ہو جائے ایک دم سے ارجمند کے ساتھ۔"

نعیم نے بے پروائی سے کہا۔ "اجی نہیں یہ کوئی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بہت سی مشہور خبریں غلط نکل جایا کرتی ہیں۔ زبیدہ اور خالد

میاں کی نسبت تو آپ نے طے کی تھی نا اب زبیدہ اپنی نسبت اگر خود طے کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ جائے تو کسی کو اس میں اعتراض کیا ہو سکتا ہے۔ میں بس اتنی مشرقیت کا قائل ضرور ہوں مثلاً آپ بزرگ ہیں آپ کو صرف یہ دیکھ لینا چاہیے کہ جذبات کی رو میں بہہ کر زبیدہ کوئی غلطی تو نہیں کر رہی ہے۔"

خالد نے دخل دیا۔ "میرے نزدیک وہ کوئی غلطی نہیں کر رہی ہے۔ ارجمند کے منہ پر تو شاید میں نہ کہہ سکوں مگر میری رائے اس کے متعلق یہ ہے کہ وہ بیوقوفی کی حد تک پہنچا ہوا شریف آدمی ہے اور ایسے شوہر نصیبہ ور لڑکیوں ہی کو ملتے ہیں۔"

نعیم مسکرا کر بولے۔ "اتفاق سے ان حضرت کے متعلق یہی رائے میری بھی ہے اور چونکہ زبیدہ میری بہن ہے لہٰذا اس کو بھی میں بخوبی جانتا ہوں کہ دماغی طور پر وہ بھی کچھ بہت زیادہ بلند مقام نہیں رکھتیں۔"

خالد نے بات کاٹ کر کہا۔ "قطعی قطعی یہی رائے میری بھی ہے کہ دماغی طور پر دونوں ایک ہی سطح پر ہیں اور میری تو یہی رائے ہے کہ ان دونوں کا ساتھ بے حد کامیاب رہے گا۔"

والدہ نے کہا۔ "تو پھر میں زبیدہ اور ارجمند سے بات کروں؟"

خالد نے کہا۔ "اس کی میں رائے نہ دوں گا بجائے اس کے کہ آپ کچھ کہیں یہ دونوں خود ہی کہیں گے۔ ان دونوں کو کہنے دیجیے، ممکن ہے ابھی یہ دونوں کسی قطعی فیصلہ پر نہ پہنچے ہوں لہٰذا ہم کیوں مداخلت بے جا کریں۔ دوسرے میری تمام توجہ فی الحال گل رخ کے علاج کی طرف ہے۔ میں اس وقت اپنی توجہ کسی اور طرف نہیں کر سکتا۔ گل رخ کا مرض اس قدر غائر مطالعہ اور ایسی گہری توجہ چاہتا ہے کہ اس میں ذرا سا خلل بھی میرے نزدیک مناسب نہیں لہٰذا میں اس کا علاج شروع کر دوں اس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

اس مشورہ کے بعد کم سے کم یہ طے ہو گیا کہ زبیدہ کو ارجمند کی طرف اور ارجمند کو زبیدہ کی طرف مائل ہونے کا حق حاصل ہے۔

ظاہر ہے کہ ڈاکٹر خالد گل رخ اور اس کی دماغی کیفیت کی طرف سے خالی الذہن نہ تھا بلکہ وہ دن رات گل رخ کی دماغی کیفیت کا نہایت گہرا مطالعہ کرنے میں مصروف تھا مگر حکیم صاحب غالباً یہ سمجھ رہے تھے کہ خالد غفلت برت رہا ہے۔ اور وہ یہاں خواہ مخواہ پڑے ہوئے اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں وہ کئی مرتبہ اپنی اس تضیع اوقات کا ذکر خالد سے بھی کر چکے تھے اور نعیم سے بھی متعدد مرتبہ کہہ چکے تھے کہ آخر اس طرح میں سب کا بار ڈاکٹر خالد پر کب تک ڈال سکتا ہوں۔ وہ اس کے لیے بھی تیار نہیں ہیں کہ ہم لوگ اپنے اخراجات کے خود ذمہ دار بن جائیں اور علاج بھی شروع کرتے کہ یہ سلسلہ مزید طول نہ کھینچے۔ اخراجات والی بات پر تو نعیم نے حکیم صاحب کو نہایت سختی اور سنجیدگی سے منع کر دیا تھا کہ اس کا ذکر بھی زبان پر نہ لائیے گا ورنہ ڈاکٹر خالد کے علاوہ ان کی والدہ کو بے حد تکلیف ہوگی۔ رہ گیا علاج کا معاملہ اس

کے متعلق خود ڈاکٹر خالد نے حکیم صاحب کو تفصیل سے سمجھا دیا تھا کہ گل رخ کے مرض کی نوعیت اس قدر پیچیدہ اور نازک ہے کہ جب تک میں غائر مطالعہ کرنے کے بعد کسی نتیجہ پر نہ پہنچوں گا علاج ہرگز شروع نہ کروں گا۔ مگر آج حکیم صاحب واقعی بے حد پریشانی کے ساتھ ڈاکٹر خالد کے پاس آئے اور ان سے کہا۔

''بھئی خالد میاں میری رائے یہ ہے کہ علاج میں اب دیر کرنا مرض کو پالنا ہے۔ آج تو گل رخ نے حد ہی کردی کہ مجھ سے الجھ پڑی اور لگی بحث کرنے کہ یہ سب مفروضہ باتیں ہیں کہ میں آپ کو باپ کہتی ہوں اور آپ مجھ کو بیٹی سمجھ کر اپنے باپ ہونے کا یقین دلاتے رہتے ہیں ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ نہ آپ اس کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں نہ میں قطعی طور پر کہہ سکتی ہوں کہ آپ کی بیٹی ہوں۔''

ڈاکٹر خالد نے اپنا تمام کام چھوڑ کر پوری توجہ کے ساتھ پوچھا۔ ''میں اس کی اسی دماغی کیفیت کا تو مطالعہ کر رہا ہوں۔ ذرا مجھے تفصیل سے بتائیے کہ یہ موضوع کیوں کر چھڑا۔ اور کس بات پر اس نے یہ بات کہی؟''

حکیم صاحب نے بڑی تشویش کے ساتھ کہا۔ ''صاحب ہوا یہ کہ میں بیٹھا خضاب لگا رہا تھا۔ وہ جو کمرے میں آئی تو میں نے اس سے صرف اتنا کہا کہ بیٹی ذرا دیکھنا خضاب کالک رخساروں پر تو نہیں پھیلی ہے بس جناب اس کے جواب میں وہ مجھ سے الجھ پڑی کہ آپ مجھ کو بار بار بات پیچھے بیٹی کہہ کر کیوں یاد دلاتے ہیں کہ آپ میرے باپ ہیں۔ میں نے بڑے پیار سے کہا کہ بیٹی اس لیے کہتا ہوں کہ تو میری بیٹی ہے اور اپنا باپ ہونا یاد دلانے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ میں واقعی باپ ہوں۔ اس پر اس نے بحث شروع کر دی کہ واقعی باپ ہونے کا دعویٰ آپ کیونکر کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کیا یہ بات کوئی صحیح الدماغ آدمی کہہ سکتا ہے؟ اور کیا اس قسم کی باتوں کے بعد آپ کو اس کے دماغی خلل میں کوئی شک ہے؟''

ڈاکٹر خالد نے کہا۔ ''شک کی تو کوئی گنجائش نہیں مگر اس دماغی خلل کی نوعیت سمجھنے کی میں مسلسل کوشش کر رہا ہوں۔''

حکیم صاحب نے کہا۔ ''سوال یہ ہے کہ آپ یہ کوشش ہی کرتے رہیں گے یا کسی نتیجہ پر بھی پہنچیں گے۔ بھلا غضب خدا کا وہ مجھ سے باپ ہونے کا ثبوت مانگ رہی ہے۔''

اسی وقت گل رخ نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ ''خالد وہ مری ہوئی نرس تمہارے نرسنگ ہوم میں کام کر رہی ہے اس کے جسم پر کبھی کبھی کافورمل دیا کرو ایک تو بیچاری یوں ہی مری ہوئی ہے اس پر طرہ یہ کہ تم اس سے زندہ لوگوں کی طرح کام لیتے ہو۔''

حکیم صاحب نے چونکتے ہوئے کہا۔ ''مری ہوئی نرس؟ مری ہوئی نرس کون سی ہے؟''

خالد نے کہا۔ ''وہ جو بوڑھی سی سسٹر ہے۔ اس کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ وہ چھ سال ہوئے مر چکی ہے۔''

حکیم صاحب نے بیساختہ کہا۔ ''انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مگر مگر وہ مرنے کے بعد گویا زندہ بھی ہے۔''

گل رخ نے کہا۔ ’’اس کا مرنا تو قطعی طے ہوا اس لیے کہ اس کے ہاتھ کی لکیروں کو میں دیکھ چکی ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ زندہ کس طرح ہے اس کے متعلق وثوق سے تو کچھ کہہ نہیں سکتی البتہ خیال ہے کہ شاید اس میں شیطان سما گیا ہے۔‘‘

حکیم صاحب نے تشویش سے کہا۔ ’’بیٹی! یہ کس طرح کی باتیں کر رہی ہو ایک جیتی جاگتی شخصیت کو مرا ہوا کہہ رہی ہو۔ آج مجھ سے ثبوت مانگ رہی تھیں کہ تمہارا باپ ہونے کا میں ثبوت دوں۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’تو کیا غلط کہہ رہی تھی میں۔ اخلاقاً کہیے تو آپ جو کچھ کہیں اس پر یقین کر لوں۔ بلکہ ہمیشہ یقین کیا ہی ہے مگر میں تو اصولی بات کہہ رہی تھی کہ یہ سب اعتبارات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے اگر اس بات کو آپ سے ثابت کرنے کو کہا جائے تو آپ کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہ کر سکیں گے۔ حالانکہ اگر میں اخلاقی قدروں کو اور اعتباری سعادت مندی کو بالائے طاق رکھ دوں تو آپ محض مجھ کو بیٹی کہہ کر اپنے کو باپ ثابت کرنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ آپ میرے والد اس لیے تسلیم کیے جاتے ہیں کہ میں آپ کو اپنا باپ کہتی ہوں میرے تعاون سے یہ رشتہ قائم ہے۔‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’اچھا تو تمہارے اس کا کیا ثبوت ہے کہ میں تمہارا باپ نہیں ہوں۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ یہ بات بھی یقین کامل کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ میں نے یہ ثابت کرنے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ تم کیوں چپ ہو خالد بولتے کیوں نہیں۔ میں جھوٹ تو نہیں کہہ رہی ہوں۔‘‘

خالد نے کہا۔ ’’نہیں تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ یہ بات تسلیم کر لینا جس قدر آسان ہے ثابت کرنا اتنا ہی مشکل ہے۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’یہ میں صرف اپنے ہی لیے نہیں کہہ رہی ہوں کہ بلکہ دنیا کا کوئی بیٹی یا بیٹا اپنے باپ کے متعلق پوری وثوق سے کیونکر کہہ سکتا ہے‘ یہ واقعی میرے باپ ہیں اور نہ کوئی باپ اپنی اولاد کے لیے یہ قسم کھا سکتا ہے کہ یہ اسی کی اولاد ہے‘ البتہ ماں کو اس کا حق پہنچتا ہے۔ اگر میری ماں ہوتی تو میں یہ بات ان سے نہ کہتی اور ان کے اس بیان پر کہ میں ان کی بیٹی ہوں یقین کر لیتی۔‘‘

حکیم صاحب نے الجھ کر کہا۔ ’’اچھا بھئی اچھا تم ہی سچی سہی۔‘‘

گل رخ نے تفصیل سے بات کرنے کے لیے بیٹھ کر کہا۔ ’’نہیں نہیں آپ اس طرح بات کو ختم نہ کیجئے اور اخلاقاً میری تائید نہ کیجئے بلکہ اگر آپ کا جی چاہے تو مجھ سے مفصل بحث کر سکتے ہیں۔ حالانکہ میں اس وقت اس مرحومہ نرس کی طرف سے سخت پریشان ہوں کہ خدا اس کی روح کو تسکین دے پر اس کے جسم کو تسکین حاصل نہیں ہے۔ میں نے اس کو بڑی دلسوزی سے سمجھایا ہے ابھی کہ اصولاً تم کو قبر میں لیٹ کر آرام کرنا چاہیے لیکن اگر تم میں کوئی خبیث روح سما گئی ہے تو بھی اتنا کام نہ کیا کرو جتنا ذی روح افراد کرتے ہیں۔‘‘

خالد نے کہا۔ ’’یعنی آج تم نے اس کو یہ بات سمجھا دی ہے اب وہ دن بھر اپنی موت کا سوگ منائے گی چھپ چھپ کر روئے گی اور وہ

تمام کام جو اس کے ذمہ ہے چوپٹ کر کے رکھ دے گی اچھی خاصی پاگل ہے وہ۔“

گل رخ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”پاگل؟ اس کو تم پاگل کیوں کہہ رہے ہو؟ جب یہ واقعہ ہے کہ اس کی رحلت کو چھ سال ہو چکے ہیں تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ اپنی موت پر دو آنسو بھی نہ بہائے۔ میرا خیال ہے کہ تم اس کو مردہ سمجھتے ہی نہیں ہو۔“

خالد نے جلدی سے گھبرا کر کہا۔ ”نہیں نہیں، اگر تم کہہ رہی ہو تو وہ واقعی مر چکی ہوگی مگر اب مرے پر سو درے کیوں مارے جائیں اس کو اس کی موت یاد دلا دلا کر۔“

یہ کہہ کر ڈاکٹر خالد کو کچھ ہنسی سی آ گئی تو گل رخ نے اپنے تیور بدل کر کہا۔ ”تم ہنس رہے ہو مجھے یقین ہے کہ تم اس کو مذاق سمجھتے ہو۔ پاگلوں میں دن رات رہ رہ کر اور پاگلوں کا علاج کرتے کرتے تم اب ہر ایک کو پاگل سمجھنے لگے ہو۔ غالباً تمہارا یہ خیال ہے کہ میں اس مرحومہ نرس کے متعلق کسی احمقانہ یا مجنونانہ نتیجہ پر پہنچی ہوں، تم ہاتھ کی لکیروں کے قائل ہو؟“

خالد نے کہا۔ ”ہاں کیوں نہیں، پامسٹری ایک مستقل فن ہے۔“ گل رخ نے جملہ کیا۔ ”اور علم بھی۔ چنانچہ آپ کی اطلاع کے لیے میں عرض کرتی ہوں کہ میں نے اس علم پر بڑا وقت صرف کیا ہے بے شمار کتابیں پڑھی ہیں اور میں نے جس کا ہاتھ دیکھ کر جو کچھ بتا دیا ہے وہ ہو کر رہا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے ان کا ہاتھ دیکھ کر کہا تھا کہ تم مجھ کو کھو دو گے۔“

خالد نے جلدی سے ٹوکا۔ ”کس کا ہاتھ دیکھ کر کہا تھا؟ کون تھے وہ؟“

گل رخ جیسے کچھ کھو سی گئی۔ ”بھلا سا نام تھا۔۔۔۔۔۔۔ خیر یاد نہیں مگر کہا ضرور تھا۔ مطلب یہ کہ میں ہاتھ دیکھ کر اور صحیح عمر معلوم کر کے جو کچھ بتا دوں اس کو ہاتھ کی لکیر نہیں بلکہ پتھر کی لکیر سمجھو۔ دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ ہاتھ دیکھ کر میں کبھی کسی غلط نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتی۔ آپ میں سے جس کا جب جی چاہے امتحان کر کے دیکھ لے۔ میں دعوے سے کہہ رہی ہوں کہ اگر اس نرس نے اپنی عمر صحیح بتائی ہے اور وہ ہاتھ جو اس کے موجودہ جسم میں ہے اسی کا ہے تو وہ ہرگز زندہ نہیں ہے اس کو مرے ہوئے چھ مہینے ہو چکے ہیں۔“

خالد نے پھر ٹوکا۔ ”چھ مہینے یا چھ سال؟“

گل رخ نے کہا۔ ”کیا میں غلطی سے چھ مہینے کہہ گئی ہوں؟ میں معافی چاہتی ہوں، میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ اس کو انتقال پر ملال کئے چھ سال ہو چکے ہیں۔ وہ چھ سال کی بوسیدہ لاش ہے۔ خدا کے لیے اس پر رحم کرو خالد اور اس کو ایک آرام دہ قبر بنوا کر اس میں سلا دو۔ مجھے اس پر بڑا ترس آتا ہے۔“

خالد نے کہا۔ ”مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی عمر غلط بتائی ہو بہت کم عورتیں اپنی عمر صحیح بتاتی ہیں۔“

گل رخ نے کہا۔ ”اگر یہ بات ہے تو بے شک وہ زندہ ہے۔ ٹھہریے میں اس سے آج قطعی فیصلہ کر کے رہوں گی ورنہ یہ تو بڑی بری

بات ہے کہ ایک مردہ اس آزادی کے ساتھ ہم زندہ لوگوں میں ٹہلتا پھرے۔ میں عمر کا معاملہ اس سے صاف کر کے رہوں گی۔''

گل رخ یہ کہتی ہوئی تیزی سے نکل گئی ڈاکٹر خالد اور حکیم صاحب دونوں گویا دم بخود سے رہ گئے۔ آخر خالد نے اپنی کرسی سے اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ وہ اس وقت کسی گہری فکر میں گم تھا۔ مگر حکیم صاحب کو اس سے کیا سروکار ان کو غور و فکر سے کیا تعلق! وہ دیر تک خاموش نہ رہ سکے اور خالد کو مخاطب کر ہی لیا۔

''اس سے بڑھ کر پاگل پن کی اور کیا دلیل ہوگی۔ اب یہ سما گئی ہے کہ وہ مری ہوئی نرس ہے۔''

خالد نے کہا۔ ''خیر یہ بات تو وہ پہلے بھی کہہ چکی ہے مگر آج اس کی حالت کافی بدلی ہوئی ہے۔ اس گفتگو کے علاوہ آج میں اس کی نگاہوں میں وہ وحشت دیکھ رہا تھا جو دماغی مریضوں کے لیے مخصوص ہے اور جو اس سے پہلے کبھی نہ تھی اب واقعی علاج میں دیر کرنا مناسب نہ ہوگا۔ میں دراصل یہ غور کر رہا تھا کہ اس کا علاج نفسیاتی طریقہ پر ہونا چاہیے یا عمل جراحی سے۔ اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ نفسیاتی طریقہ علاج نہایت صبر آزما ہوگا لہٰذا آپریشن ہی کرتا ہوں خدا کا نام لے کر۔''

حکیم صاحب نے بھی اسی رائے سے اتفاق کیا اس لیے کہ نفسیاتی طریقہ علاج ان کے پلے نہ پڑ سکا۔

یہ تو طے ہو چکا تھا کہ۔۔۔۔۔۔گل رخ کا آپریشن کیا جائے گا مگر خالد کو اب دو باتوں کا انتظار تھا۔ ایک یہ کہ گل رخ کو کسی بہانے سے بیمار ڈالا جائے تا کہ وہ نرسنگ ہوم میں اپنی اس مفروضہ بیماری کے علاج کے لیے بستر علالت پر لیٹ سکے۔ دوسرے خالد نے راولپنڈی سے اپنے دوست ڈاکٹر اسد کو بھی بلوایا تھا جو اسی کی طرح ماہر امراض دماغ تھے۔ ڈاکٹر اسد کو بلانے میں مصلحت یہ تھی کہ ایک تو اس نازک آپریشن کے موقع پر ایک سے دو کی رائے مناسب ہوگی دوسرے آپریشن کے بعد سے صحت یابی تک وہ گل رخ سے براہ راست کوئی تعلق نہ رکھنا چاہتا تھا بلکہ ضرورت تھی کسی ایسے معالج کی جو گل رخ کے لیے اجنبی ہو اور جو گل رخ پر اپنا رعب قائم کر سکے چنانچہ اس نے پوری تفصیل ڈاکٹر اسد کو ٹرنک کال کر کے سمجھا دی تھی۔ اور اب وہ ڈاکٹر اسد کا منتظر تھا جو آج ہی کے جہاز سے پہنچ رہے تھے۔ خالد نے اپنے مہمان کے لیے نہایت مناسب انتظامات کر دیئے تھے اور آخری مرتبہ ان انتظامات کا جائزہ لے کر وہ ایئر پورٹ روانہ ہو چکا تھا۔ اس مہمان کا انتظار سوائے ارجمند اور زبیدہ کے سب ہی کو تھا حد یہ ہے کہ خود گل رخ کو بھی خالد یہ بتا چکا تھا کہ اس کا پرانا دوست اور ہم جماعت جو خود ایک مشہور ڈاکٹر ہے اس کا مہمان بن کر آ رہا ہے لہٰذا ڈاکٹر اسد کے قیام کے لیے کمرہ خود گل رخ نے آراستہ کیا تھا۔ اس کی تواضع کے جملہ انتظامات خود گل رخ نے کئے تھے اور اب وہ خود اس مہمان عزیز کا مقدم کرنے کے لیے گھڑی دیکھ دیکھ کر برآمدے میں ٹہل رہی تھی کہ حکیم صاحب نے ایک نیا ہی موضوع چھیڑ دیا۔

''بحمد اللہ کمال ہے۔ سب ہی یہاں موجود ہیں نعیم میاں البتہ ہمارے برخوردار سعادت آثار میاں ارجمند طول عمرہ کو اس سے کوئی سروکار

نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اللہ جانے وہ حضرت کہاں غائب ہیں۔ صبح زیارت ہوئی تھی جب وہ فاختئی رنگ کا سوٹ پہنے خلیل خاں سے نظر آ رہے تھے اور اپنی جامہ زیبی پر آئینہ کے سامنے خود اپنے ہی عکس سے داد خواں تھے۔“

گل رخ نے کہا۔”آپ کچھ ضرورت سے زیادہ ان کے پیچھے پڑ گئے ہیں' لباس کے معاملہ میں محتاط ہونا اتنی بری بات نہیں جتنی آپ سمجھتے ہیں۔“

حکیم صاحب نے جلدی سے اپنا بیان بدل دیا۔”مجھے کوئی اعتراض تھوڑی ہے۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ ہیں کہاں؟“

گل رخ نے کہا۔”کیا آپ ان کو اپنا قیدی سمجھتے ہیں۔ آخر کوئی کب تک گھر میں گھسا بیٹھا رہے۔ زبیدہ کو کچھ شاپنگ کرنا تھی وہ مجھ کو ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔ میں مہمان خانہ ٹھیک کرا رہی تھی لہٰذا میں نے ارجمند صاحب کو اس کے ساتھ بھیج دیا ہے۔“

حکیم صاحب نے سر تسلیم خم کر دیا۔”بس تو ٹھیک ہے معلوم تو ہو گیا کہ وہ کہاں ہیں۔ تشویش رہتی ہے نا کہ اللہ جانے منہ اٹھائے ہوئے کہاں نکل جائیں۔ وہ ٹھہرے جامہ زیب اور زمانہ ہے خراب۔“

اسی وقت ڈاکٹر خالد کی کار کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئی اور سب نے دیکھ لیا کہ جس مہمان کو وہ لینے گئے تھے وہ ان کے ساتھ ہے لہٰذا سب سے پہلے تو نعیم آگے بڑھے اس کے بعد حکیم صاحب دیدہ و دل فرش راہ کرنے کے انداز سے چلے۔ خالد نے نعیم سے ڈاکٹر اسد کو ملانا چاہا تو اس نے کہا۔

”یعنی اب آپ ان سے بھی مجھ کو ملائیں گے۔ کس قدر مدد کی تھی انہوں نے میری جب ہم ولایت جا رہے تھے۔ میں اتنا بڑا احسان فراموش نہیں ہوں کہ نعیم بھائی کو بھول جاؤں۔“

یہ کہہ کر وہ بڑی گرمجوشی کے ساتھ نعیم سے بغل گیر ہوا۔ اس کے بعد خالد کی والدہ کو دیکھ کر دوڑا ان کی طرف۔

”ارے امی جان آپ تو بہت دبلی ہو گئے ہیں اور کچھ بڑھاپا بھی زیادہ ہی نظر آ رہا ہے۔“

خالد کی والدہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔”بڑھاپا نہیں تو کیا اب جوانی کے دن ہیں مگر بیٹا تم خود بھی کچھ جھک گئے ہو۔“

خالد نے اس کو حکیم صاحب سے ملایا۔”ارے بھئی اسد آپ سے تو ملو ہمارے بزرگ محترم حکیم صاحب۔“

اسد نے سعادت مندی سے ہاتھ ملا کر کہا۔”آپ کا تفصیلی تعارف خالد رستہ ہی میں کرا چکے ہیں۔ بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر ۔۔۔۔۔۔ اور آپ؟ آپ غالباً گل رخ صاحبہ ہیں۔“

گل رخ نے مسکرا کر کہا۔”غالباً نہیں یقیناً میں گل رخ ہوں' قطعی گل رخ ہوں۔“

خالد نے اسد سے کہا۔ ”خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی تم چل کر اپنا کمرہ وغیرہ دیکھ لو اور اپنی نگرانی میں اپنا سامان ٹھیک کرا دو ملازم منتظر ہیں۔ گل رخ اس عرصہ میں چائے کا اہتمام کریں گی۔ اسد تم غسل تو نہ کرو گے؟“

اسد نے کہا۔ ”آپ کی اطلاع کے لیے یہ عرض ہے کہ میں بیل گاڑی پر نہیں بلکہ ہوائی جہاز پر آیا ہوں۔“

خالد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کہا۔ ”ہوائی جہاز پر کیا بیٹھے کہ دماغ ہی عرش پر پہنچ گیا۔ اچھا اب تشریف لایئے۔“

اور وہ ڈاکٹر اسد کو لے کر کمرے میں آ گیا جو اس کے لیے آراستہ کیا گیا تھا۔ مقصد یہ کمرہ دکھانا نہ تھا بلکہ وہ اسد سے گل رخ کے متعلق باتیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ کمرے میں پہنچتے ہی اس نے کہا۔

”سنا تھا تم نے گل رخ کا جواب کہ میں غالباً نہیں بلکہ یقیناً گل رخ ہوں قطعی گل رخ ہوں۔“

اسد نے کہا۔ ”یہ تو بڑی تیزی اور ذہانت کا جواب تھا۔“

خالد نے کہا۔ ”یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ ایک طرف تو یہ تیزی ہے دوسری طرف تم نے سر پر پھول دیکھے تھے لگے ہوئے۔“

اسد نے اس غیر متوقع سوال پر ایک دم گویا اچھل کر کہا۔ ”سب سے پہلے تو پھول ہی دیکھے تھے مگر میں سمجھا تھا کہ شاید کوئی نیا فیشن نکل آیا ہو کہ بجائے ایک آدھ پھول کے پوری شاخ کی شاخ سر پر لگائی جائے۔“

خالد نے کہا۔ ”میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کبھی ایک آدھ پھول بھی نہ لگاتی تھی مگر پچھلے چند دن سے وہ عجیب حرکتیں کر رہی تھی اور پہلے اس کا دماغی خلل جس قدر چھان بین کے بعد سمجھا اور پایا جا سکتا تھا۔ اتنا ہی آج کل نمایاں نظر آتا ہے۔“

اس نے کہا۔ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ

ان دنوں جوشِ جنوں ہے ترے دیوانے کو“

خالد نے کہا۔ ”تم تو شاعری کر رہے ہو مگر واقعہ اتفاق سے یہی ہے اسی لیے میری رائے یہ ہے کہ آپریشن کرنے کا صحیح وقت یہی ہے۔“

اس نے کہا۔ ”مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے کہ اب دیر کرنا مناسب نہیں ہے اس لیے کہ موسم بھی مناسب ہے اور اس کی کیفیت بھی آپریشن کا تقاضا کر رہی ہے۔“

خالد نے کہا۔ ”اگر تمہاری بھی یہی رائے ہے تو بس اب مجھے کسی سے پوچھنا نہیں ہے مگر راستہ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس کو بستر علالت پر پہنچانے کا کوئی بہانہ تجویز کرو۔“

اسد نے کہا۔ ”یہ کونسی مشکل بات ہے ایسا چکمہ دوں گا کہ ان کو شبہ بھی نہ ہو سکے۔“

اسی وقت گل رخ نے کمرے کے دروازے پر آ کر کہا۔ ”میں حاضر ہو سکتی ہوں؟“

خالد نے کہا۔ ”آؤ گل رخ آجاؤ نا غالباً تم چائے کا تقاضا کرنے آئی ہو۔“

گل رخ نے کہا۔ ”چائے کا تقاضا تو آپ کو کرنا چاہیے تھا میں تو یہ اطلاع دینے آئی ہوں کہ دوسری مرتبہ چائے کا پانی گرم ہو کر میز پر آیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو تیسری مرتبہ رکھوا دیا جائے۔“

اسد نے کہا۔ ”جی نہیں ہم چل رہے ہیں۔ معاف کیجئے گا میں ذرا اپنا سامان درست کر رہا تھا۔“

اور یہ کہتے ہوئے یہ تینوں چائے کی میز پر آ گئے جہاں سوائے زبیدہ اور ارجمند کے سب ہی منتظر تھے۔ چنانچہ حکیم صاحب نے ان تینوں کو دیکھ کر کہا۔

”لو بھئی آ گئے وہ لوگ نعیم صاحب مجھے تو آپ چائے بنا دیجئے۔ میری چائے کا وقت قضا ہوا جا رہا ہے۔“

نعیم نے چائے بناتے ہوئے کہا۔ ”بیشک بیشک آپ کا اتنا ہی کرم کافی ہے کہ آپ نے خلاف معمول اتنا انتظار کر لیا۔“

اس نے کہا۔ ”میں معذرت خواہ ہوں مگر اس میں انتظار کے تکلف کی کیا ضرورت تھی آپ نے شروع کر دی ہوتی چائے۔ بھئی یہ پکوڑے ادھر بڑھا دیجئے نعیم صاحب! نہایت قابل غور نظر آ رہے ہیں۔“

گل رخ نے پکوڑوں کی ڈش بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”خالد کی طرح آپ کی بھی کمزوری ہیں پکوڑے۔“

چنانچہ ناشتہ اور چائے شروع ہو گئی ادھر ادھر کے لطائف بھی ہوتے رہے اور حکیم صاحب اپنی قابلیت کا رعب ڈاکٹر اسد پر بھی جماتے رہے مگر یہ مختصر سی محفل گل رخ کے سوال پر چونک پڑی۔

”اسد صاحب آپ اس قدر غور سے اور اس وحشت ناک طریقے سے مجھے کیوں گھور رہے ہیں؟“

اسد نے کہا۔ ”آپ کی طبیعت تو اچھی ہے؟ میرا مطلب ہے کچھ چکر وکر تو نہیں آ رہا ہے؟“

گل رخ نے حیرت سے کہا۔ ”چکر؟ چکر کیسا؟ مجھے تو کوئی چکر وکر نہیں آیا۔“

اسد نے خالد سے کہا۔ ”دیکھنا خالد ان کی آنکھوں کی پتلیاں کیوں پھر رہی ہیں۔ ذرا غور سے دیکھتے رہو۔ ہاں یہ دیکھا تم نے!“

خالد نے کہا۔ ”واقعی مگر یہ ہوا کیا ہے ان کو؟“

اسد نے کہا۔ ”ذرا بلڈ پریشر دیکھنے کا آلہ تو منگاؤ۔“

چنانچہ خالد دوڑتا ہوا گیا اور بلڈ پریشر کا آلہ لا کر اسد کو دے دیا اس نے گل رخ کی نبض ہاتھ میں لی۔ خالد نے گل رخ کی بازو پر پٹی باندھی اور اسد نے پمپ کر کے پارے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ کر کہا۔

”اُفوہ کوئی بیڈ خالی ہے تمہارے نرسنگ ہوم میں ان کو تو فوراً لٹا دینا چاہیے۔“

گل رخ نے کہا۔ ’’ہاں اب مجھے کچھ چکر سا محسوس ہوا ہے۔‘‘

خالد نے گل رخ کو اٹھنے کا اشارہ کر کے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ اسد نے آنکھ کے اشارے سے حکیم صاحب کو خاموش اور مطمئن رہنے کو کہا اور جب گل رخ ڈاکٹر خالد کے ساتھ جا چکی تو اسد نے کہا۔

’’آپ لوگ اطمینان رکھئے کوئی چکر وکر نہیں تھا۔ ترکیب تھی ان کو نرسنگ ہوم میں بستر پر لٹا دینے کی۔‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’مگر وہ تو خود کہہ رہی تھی کہ بعد میں اسے چکر محسوس ہوا۔‘‘

اسد نے کہا۔ ’’یہ محض نفسیاتی اثر تھا۔‘‘

تھوڑی دیر کے بعد خالد نے واپس آ کر اسد سے کہا۔ ’’مان گئے استاد تم کو کس آسانی سے تم نے گل رخ کو نرسنگ ہوم پہنچایا ہے وہ باقاعدہ مریض بنی خاموش لیٹی ہے۔‘‘

اسد نے کہا۔ ’’بس ٹھیک ہے اب صبح ہی سے علاج شروع ہو جائے گا۔‘‘

آج ڈاکٹر خالد کے یہاں ایک ہلچل سی مچی ہوئے تھی۔ صبح ہی سے سب نہایت سراسیمہ نظر آ رہے تھے۔ حکیم صاحب کی حالت دیکھ کر بڑا ترس آ رہا تھا کہ جیسے خون کی چھینٹ تک نہ تھی غریب کے چہرے پر۔ زرد ہو کر رہ گئے تھے اور صبح ہی سے نجانے کیا کیا دعائیں پڑھتے پھر رہے تھے۔ انہوں نے کئی مرتبہ گل رخ کے پاس جانے کی کوشش کی مگر خالد اور اسد دونوں نے قطعی ممانعت کر رکھی تھی کہ گل رخ کے پاس کوئی بھی نہ جائے۔ چنانچہ اس وقت جب خالد اور اسد دونوں آبر کے ایپرن پہنے نرسنگ ہوم کے برآمدے میں منہ پر کپڑا لپیٹے نظر آئے تو حکیم صاحب پر جو عالم بھی گزر را ہو کم ہے۔ کیفیت تو یہ تھی کہ خالد کی والدہ تک سارے جسم سے کھڑی کانپ رہی تھیں کہ نہ جانے ان کو یکا یک کیا خیال آیا کہ ڈگمگاتی ہوئی کمرے کے اندر گئیں اور کلام پاک نکال کر سر پر رکھ لیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ نعیم بھی خود پریشان تھا مگر اس وقت اس کو حکیم صاحب کو سنبھالنا تھا۔ لہٰذا اپنی گھبراہٹ چھپائے ہوئے وہ حکیم صاحب کو تسلیاں دے رہا تھا۔

’’آپ قطعاً پریشان نہ ہوں حکیم صاحب خدا پر بھروسہ رکھئے اور یہ اطمینان رکھئے کہ گل رخ کو قسمت سے وہ دونوں ڈاکٹر مل گئے ہیں جو دماغی امراض کے اس ملک میں مانے ہوئے معالج سمجھے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اسد نے تو دماغی مریضوں کے ایسے ایسے علاج کئے ہیں کہ مغربی ممالک میں اس کی دھوم ہے اور اپنے خالد کو بھی آپ گھر کی مرغی نہ سمجھئے دماغی سرجری میں اس وقت جواب نہیں ہے اس کا بلکہ ایک امریکن ڈاکٹر نے تو یہاں تک اس کے متعلق ایک ٹیلیویژن انٹرویو میں کہا تھا کہ ڈاکٹر خالد اس دور کا سب سے بڑا دماغی سرجن ہے۔‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’اجی کہاں کے خالد اور کیا چیز ہیں اسد! میں اپنی بچی کو خدا کے سپرد کئے ہوئے ہوں اور اسی سے اپنی بچی کی زندگی اور صحت مانگ رہا ہوں۔‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’بیشک بیشک سب سے بڑا آسرا تو اسی کا ہے۔ انسان میں اتنی طاقت کہاں کہ وہ اس قدرت کے مقابلہ کا تصور بھی کرے۔‘‘

اسی وقت ارجمند نے ایک گلاس لا کر حکیم صاحب کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ ’’آپ تھوڑا سا یہ بید مشک کا شربت پی لیجئے۔‘‘

حکیم صاحب نے برہمی سے کہا۔ ’’جی شکریہ آپ کا، مگر مجھے اس کی ضرورت نہیں۔‘‘

ارجمند نے کہا۔ ’’آنٹی نے بھیجا ہے وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ ضرور پی لیں۔‘‘

حکیم صاحب نے گلاس لیتے ہوئے کہا۔ ’’بیگم صاحب نے بھیجا ہے، بہن نے۔۔۔۔۔۔ تو میں ضرور پیوں گا حالانکہ مجھ سے زیادہ ان کو ضرورت ہے اس وقت ان کو تنہا نہ چھوڑیئے آپ لوگ۔ میں دیکھ چکا ہوں ان کی کیفیت کہ اس بے ماں کی بچی کے لیے وہ بخدا ممتا لیے تڑپ رہی ہیں اس وقت۔‘‘

ارجمند نے کہا۔ ’’آپ اطمینان رکھئے، ان کے پاس زبیدہ ہیں۔‘‘

حکیم صاحب نے شربت کے چند گھونٹ لے کر ارجمند سے کہا۔

’’صاحبزادے دعا کیجئے آپ بھی۔ آپ ہی کے لیے میری بچی پر اس وقت یہ نازک وقت گزر رہا ہے اور آپ ہی کے لیے اگر خدا کو منظور ہے تو وہ صحت یاب ہونے کی منزل سے گزر رہی ہے۔‘‘

ارجمند نے یہ سن کر خاموشی سے گردن جھکا لی۔ نعیم کے دل پر حکیم صاحب کے ان الفاظ سے جیسے تیر سا لگا کہ اس معصوم بڈھے کو یہ بھی نہیں معلوم کے ارجمند کو اب گل رخ کی صحت کا کوئی انتظار نہیں ہے اور وہ گل رخ سے خالی الذہن ہو کر زبیدہ کا ہو چکا ہے۔ اللہ جانے خود ارجمند پر ان الفاظ کا کیا اثر ہوا مگر حکیم صاحب کو تو اس وقت ارجمند پر ان الفاظ کے ردعمل کے دیکھنے تک کا ہوش نہ تھا۔ وہ شربت کا گلاس اس کو تھما کر اسی طرف بڑھنے لگے جدھر آپریشن تھیٹر میں ان کے بڑھاپے کا سہارا زندگی اور موت کی کشمکش سے گزر رہا تھا۔ نعیم نے بڑھ کر حکیم صاحب کو روکا۔

’’ادھر کہاں جا رہے ہیں آپ حکیم صاحب اسی طرف رہیے۔‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’کوئی اندر سے نکلے تو معلوم تو ہو کہ کیا ہو رہا ہے۔‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’آپریشن ہو رہا ہے اور کیا ہوتا۔ کافی دیر ہو چکی ہے بس اب سب نکلنے ہی والے ہوں گے۔ آیئے چل کر ذرا آنٹی کو تسلی دیں۔ آپ کی تسلی دینے کا ان پر بڑا اثر ہوگا۔‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’ایں؟۔۔۔۔۔۔ ہاں واقعی ان کو سمجھانا چاہیے ایک تو وہ خود کمزور ہیں دوسرے میری گل رخ کو واقعی بے انتہا

چاہتی ہیں۔ خداوند کریم نے ان کے دل میں میری بچی کے لیے ایسی محبت بھر دی ہے کہ میں تو حیران ہی ہوں۔‘‘

یہ دونوں جب اس کمرے میں پہنچے جہاں بیگم صاحبہ تھیں تو انہوں نے دیکھا کہ وہ سجدے میں پڑی ہوئی واقعی سسک سسک کر رو رہی ہیں اور زبیدہ بت بنی ایک طرف کھڑی ہے۔ حکیم صاحب نے جاتے ہی کہا۔

’’بہن اپنے دل کو سنجالیے آپ کی دعائیں خالی نہ جائیں گی میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ گل رخ بالکل تندرست ہو جائے گی۔‘‘

بیگم صاحب نے سجدے سے سر اٹھا کر پھٹی پھٹی نظروں سے سب کو دیکھ کر کہا۔ ’’ہو گیا آپریشن؟‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’جی نہیں، ہو رہا ہے ابھی، مگر آپ اطمینان رکھئے انشاء اللہ کامیاب ہی ہو گا آپریشن۔‘‘

بیگم صاحب نے کہا۔ ’’انشاء اللہ۔ مگر کچھ خبر تو منگاتے کہ کتنی دیر ہے۔‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’آنئی دماغ کا آپریشن ہے۔ آخر دیر لگتی ہی ہے۔ آپ بھول گئیں ڈپٹی صاحب کا آپریشن جو خالد نے کیا تھا۔‘‘

بیگم صاحب نے کہا۔ ’’اس میں تو بڑی دیر لگی تھی۔ مگر اب تو اس میں بھی کافی دیر ہو چکی ہے۔‘‘

اسی وقت اس بڑھیا نرس نے جس کو گل رخ مرحومہ کہا کرتی ہے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ ’’ڈاکٹر صاحب نے کہلوایا ہے کہ آپ لوگ اطمینان رکھئے آپریشن بہت کامیاب ہوا ہے۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’شکر ہے پروردگار تیرا‘‘

حکیم صاحب نے بڑے اضطراب سے پوچھا۔ ’’تو کیا ہو چکا آپریشن؟‘‘

نرس نے کہا۔ ’’جی ہاں، ڈاکٹر صاحب بھی بس آ رہے ہیں ہاتھ دھو رہے تھے مجھ سے کہا کہ سب پریشان ہوں گے تم ان کو اطمینان دلا دو۔‘‘

ابھی نرس کا یہ جملہ پورا ہی ہوا تھا کہ ڈاکٹر خالد ہنستے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور حکیم کے دونوں ہاتھ وفور مسرت سے تھام کر بولے۔ ’’مبارک ہو قبلہ آپریشن تو خدا کے فضل و کرم سے توقع سے کہیں زیادہ کامیاب ہوا ہے۔ اب آپ کی دعائیں چاہئیں کہ اس کامیاب آپریشن کا نتیجہ بھی کامیاب ہو۔‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’شکر ہے خدا کا، مگر کیا ابھی کسی نتیجہ کا بھی انتظار ہے۔‘‘

خالد نے کہا۔ ’’جی اور کیا اصل چیز تو وہی ہے۔ آپریشن کے بعد کامیاب ہونے کی خوشی تو یہ ہے کہ نہایت نازک ہوتا ہے یہ آپریشن مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے آپریشن کیا گیا ہے وہ بھی خدا کرے حسب دل خواہ حاصل ہو جائے۔‘‘

ڈاکٹر اسد نے داخل ہو کر کہا۔ ’’بس جناب اتنی سی بات تھی جس کے لیے آپ سب پریشان تھے۔‘‘

خالد نے کہا۔ ’’اسد کیا خیال ہے تمہارا؟‘‘

اسد نے کہا۔ ’’خیال یہ ہے کہ ہاتھ چومنے کو جی چاہتا ہے تمہارے کیا سبک ہاتھ پایا ہے اور کتنا خوبصورت آپریشن کیا ہے میں نے میجر براؤن کو بھی آپریشن کرتے دیکھا ہے مگر یہ اطمینان ان میں بھی مجھ کو نظر نہیں آیا جو میں نے تم میں دیکھا ہے۔‘‘

خالد نے کہا۔ ’’میں اپنی تعریف نہیں کرا رہا ہوں۔ میں تو یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم کو اب امید کیا ہے۔‘‘

اسد نے کہا۔ ’’مجھے تو سولہ آنے امید ہے کہ گل رخ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’انشاء اللہ۔۔۔۔۔۔۔تو کیا اس کو ہوش آ گیا ہے؟‘‘

خالد نے کہا۔ ’’کمال کرتے ہیں آپ ہوش کا ابھی کیا ذکر مگر ایک بات سن لیجئے اور صرف آپ ہی نہیں کہ ہوش آنے کے بعد بھی کئی دن تک آپ میں سے کسی کو گل رخ کے پاس جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ آپریشن تو ہو چکا مگر احتیاط کا وقت اب آیا ہے اور اب ذرا بھی بے احتیاطی کی گئی تو کئے دھرے پر پانی پھر جائے گا بڑا نازک دور ہوتا ہے یہ جب مریض کو ہوش آتا ہے اور وہ اپنی دیوانگی کی حالت سے پہلے کی یادیں تازہ کرتا ہے۔ یہ یادیں اس کو خود بخود آنا چاہئیں۔‘‘

اسد نے کہا۔ ’’بلکہ دراصل اسی سے ہم کو اندازہ ہوگا کہ جس مقصد کے لیے ہم نے آپریشن کیا ہے اس میں کس حد تک کامیابی ہوئی۔‘‘

بیگم صاحب نے حکیم صاحب سے کہا۔ ’’بھائی صاحب خدا کے لیے دل پر جبر کر کے نہ جایئے گا کچھ دن اس کے پاس۔‘‘

اسد نے کہا۔ ’’حکیم صاحب تو حکیم صاحب ہوش آنے کے بعد تو خود خالد بھی اس کے قریب نہ جائیں گے مجھ کو اسی لیے تو بلایا گیا ہے کہ اس زمانہ میں اس کی دیکھ بھال میں کرتا رہوں۔‘‘

حکیم صاحب نے کہا۔ ’’مگر آپ دونوں اس کو تنہا چھوڑ کر آ گئے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟‘‘

اسد نے کہا۔ ’’ظاہر ہے کہ اگر مضائقہ ہوتا تو ہم آتے ہی کیوں وہاں اس وقت ایک چھوڑ تین نرسیں موجود ہیں اور ہم لوگ بھی ابھی ابھی جاتے ہیں حالانکہ ہماری فی الحال کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ ابھی تو ان کی بیہوشی جاری رکھنا پڑے گی۔‘‘

نعیم نے کہا۔ ’’آپ دونوں اب تو ناشتہ کر لیں صبح سے صرف بیڈٹی پیئے ہوئے پھر رہے ہیں۔‘‘

اسد نے کہا۔ ’’تو کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ ہم تفریحاً ہی یہاں آ گئے ہیں برا حال ہے بھوک کے مارے۔‘‘

بیگم صاحبہ نے زبیدہ سے کہا۔ ’’بیٹا تم کھڑی سن رہی ہو اب میں کہوں گی تو برا مانو گی کہ یہ ہے کہ فرق تم میں اور گل رخ میں خدا اس کو صحت دے کہ وہ ناشتہ کی میز لگا چکی ہوتی کب کی۔‘‘

ظاہر ہے کہ زبیدہ نے اس ریمارک کو پسند نہ کیا ہوگا۔ مگر ارجمند کے تیوروں سے معلوم ہو رہا تھا کہ زبیدہ سے زیادہ یہ بات ان کو ناگوار

ہوئی ہے۔ چنانچہ زبیدہ کے جاتے ہی وہ بھی کمرے سے نکل گئے۔ خالد نے اسد سے کہا۔ ’’جب تک ناشتہ کی میز لگے میں جا کر ایک نظر دیکھ ہی آؤں۔‘‘

اسد نے کہا۔ ’’ضرورت تو نہیں ہے میں نرسوں کو سب کچھ سمجھا چکا ہوں مگر اپنے اطمینان کے لیے دیکھ آؤ جا کر۔‘‘

خالد کے جانے کے بعد اسد نے بیگم صاحبہ سے کہا۔ ’’امی جان آپ گل رخ کا غسل صحت تو۔۔۔۔۔۔۔ دھام دھام سے منائیں گی ہی مگر آج خالد پر سے نظر ضرور اتار دیجئے گا۔ میں واقعی تعریف نہیں کر سکتا کہ کتنا خوبصورت آپریشن کیا ہے اس نے چشم بددور بخدا معلوم یہ ہو رہا تھا کہ آپریشن نہیں کر رہا ہے بلکہ ایک مشاق مصور ہے جو اپنے سمجھے بوجھے خطوط سے کسی بے جان تصویر میں روح پھونک رہا ہے۔‘‘

زبیدہ نے آ کر اطلاع دی کہ ناشتہ تیار ہے چنانچہ سب ناشتہ کرنے روانہ ہو گئے۔

اور سب تو گل رخ کی صحت کامل کے لیے دست بہ دعا تھے مگر زبیدہ اور ارجمند کے درمیان ایک نئی الجھن یہ پیدا ہو گئی تھی کہ اگر واقعی گل رخ صحت یاب ہو گئی اور اس کا دماغی توازن درست ہو گیا تو کیا ہو گا؟ زبیدہ کو ارجمند کی طرف سے یہ شک تھا کہ کہیں یہ تھالی کا بینگن پھر اسی کی طرف متوجہ نہ ہو جائے مگر ارجمند کے دل کا حال تو خدا ہی جانے جہاں تک زبان کا تعلق ہے وہ زبیدہ کے اس وہم کو نہایت مضحکہ خیز سمجھتا تھا چنانچہ اس وقت بھی یہ دونوں باغ کے اسی گوشہ میں جہاں یہ رومان پروان چڑھا تھا اسی راز و نیاز میں مصروف تھے۔ زبیدہ کے چہرے سے وہ خوف برس رہا تھا جو اس تصور نے اس کے دل میں پیدا کر دیا تھا کہ گل رخ کے صحت یاب ہونے کے بعد اللہ جانے اس کو قسمت کا کیا تماشا دیکھنا پڑے اور ارجمند اس کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ زبیدہ نے اس کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

’’میں تو یہ کہتی ہوں گل رخ نے اگر صحت یاب ہونے کے بعد پھر تم سے التفات شروع کیا تو۔۔۔۔۔۔؟‘‘

ارجمند نے بات کاٹ کر کہا۔ ’’تو میں پھسل جاؤں گا اسی کی طرف گویا۔۔۔۔۔۔۔ کس قدر احمقانہ وہم ہے تمہارا۔ وہم کا علاج تو خیر لقمان کے پاس بھی نہ تھا البتہ اتنا میں بتائے دیتا ہوں کہ گل رخ کے صحیح الدماغ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں اپنا دماغی توازن کھو بیٹھوں گا۔ تم آخر مجھ کو موم کی ناک کیوں سمجھتی ہو کہ جس کا جی چاہے اپنی طرف موڑ لے۔‘‘

زبیدہ نے کہا۔ ’’یہ میں اس لیے سمجھتی ہوں کہ اس کے دماغ پر یہ اثر تمہاری ہی وجہ سے پڑا تھا۔ اب اس آپریشن کے بعد جب اس کا دماغ ٹھکانے آئے گا تو اس کو تم پھر یاد آؤ گے۔‘‘

ارجمند نے کہا۔ ’’اچھا فرض کر لیجئے کہ یاد آیا اس کو میں پھر کیا ہو گا۔ میں گویا ایسا ہی تو برخوردار ہوں کہ اس نے یاد کیا اور میں پہنچا کہ دست بستہ کہ لیجئے میں حاضر ہوں۔ انتہا ہے بخدا پاگل پن کی۔ حالانکہ اب اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ایک تو یہ کہ وہ لاکھ یاد کرے مگر

میں اس کو بھول چکا ہوں۔ دوسرے اس کو ڈاکٹر خالد اتنا آزاد تو نہ چھوڑیں گے کہ وہ ان کے بجائے میری طرف کھینچنا شروع نہ کر دے۔ پانی کی طرح روپیہ بہا کر اور شب و روز محنت کر کے وہ کیوں کر گوارا کر لیں گے کہ جس گل رخ کے لیے انہوں نے تمکو بھی حرف غلط کی طرح اپنے فسانہ سے نکال دیا ہے وہ گل رخ اب کسی اور کی ہو جائے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صاحب مجھے تو امید نہیں کہ گل رخ کا دماغی توازن درست ہو۔"

زبیدہ نے کہا۔ "اور مجھے یقین ہے کہ اس کا دماغی توازن ضرور درست ہو جائے گا۔ ڈپٹی صاحب کا آپریشن کر کے خالد نے ایک خطرناک پاگل کو ایسا ٹھیک کیا ہے کہ جیسے وہ کبھی پاگل تھے ہی نہیں۔ زنجیریں تڑا لیتے تھے۔ جو سامنے آ گیا اس پر حملہ کر بیٹھتے تھے۔ کوئی نہ ملا تو خود اپنے کو لہولہان کر لیا مگر اس آپریشن کے بعد ایسے ٹھیک ہوئے ہیں کہ کئی کتابیں تک لکھ چکے ہیں۔"

ارجمند نے کہا۔ "خیر کتابیں لکھنے کو نہ کہیے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے بھی دماغی خرابی کے عالم میں کتاب لکھی تھی یا نہیں۔ بہر حال میں تو یہ کہتا ہوں کہ وہ خدا کرے ٹھیک ہو جائے اور ڈاکٹر خالد کے دل کی تمنا بر آئے۔ سوال تو یہ ہے کہ اس کے ٹھیک ہو جانے سے میرا بہک جانا تم نے کیوں طے کر لیا ہے۔ عجیب منطق ہے یہ بھی تمہاری کہ میں گویا اسی وقت تک تمہارا ہوں جب تک وہ پاگل ہے۔ تم یہ کہو گی کہ تم نے اس لیے طے کیا ہے کہ چونکہ وہ میری وجہ سے پاگل ہوئی تھی لہٰذا دماغی طور پر درست ہونے کے بعد وہ پھر میرے جنوں میں مبتلا ہو جائے گی۔ مگر میں اس جنوں میں آخر کیوں مبتلا ہوں گا کہ تم کو اپنی تمناؤں کا مرکز بنا لینے کے بعد پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤں گا۔"

زبیدہ نے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ اس وقت تم سچ ہی کہہ رہے ہو اور تمہارا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ مجھ سے بے وفائی کرو۔ مگر تم بھی آخر اپنے سینہ میں ایک انسان کا دل رکھتے ہو۔ مگر گل رخ تندرست ہو کر اور اپنے حواس میں آ کر تم سے محبت کی بھیک مانگے گی اس محبت میں اپنی مستقل مزاجی کے حوالے دے گی۔ اپنا یہ ایثار یاد دلائے گی کہ تمہارے ہی لیے وہ اپنے دماغ تک کو ماؤف کر چکی ہے تو آخر تم پر کہاں تک اثر ہوگا۔ حکیم صاحب زور لگائیں گے۔ دنیا بھر تم کو قائل کرے گی۔ اور ایسی ایسی باتیں تم سے کہی جائیں گی کہ پتھر بھی ہو تو موم بن جائے۔ مجھے تو سولہ آنے یقین ہے کہ اس وقت تم ڈگمگائے بغیر نہ رہ سکو گے۔"

ارجمند نے کہا۔ "یہ صرف تمہاری بدگمانی ہے زبیدہ اور میں چاہتا ہوں کہ اس بدگمانی کو دور کرنے کے لیے تم اپنے کو اس وہم میں مبتلا نہ رکھو۔ یاد رکھو کہ وہم کو جتنا اپنے دل میں جگہ دو گی اتنی ہی محبت زہر آلود ہوتی جائے گی۔ محبت اعتماد کے سایہ میں لہلہاتی اور وہم کی دھوپ میں جھلستی ہے۔"

زبیدہ نے کہا۔ "نہایت ٹھوس کلیہ ہے۔ بڑے خوبصورت الفاظ میں مگر تم مجھ کو کتاب پڑھا رہے ہو اور میں وہ سب کچھ ابھی سے دیکھ رہی ہوں جو ہونے والا ہے۔"

ارجمند نے کہا۔ ’’اچھا تو تمہارے اس وہم کا کوئی علاج بھی ہے؟‘‘

زبیدہ نے کہا۔ ’’بے شک ہے اور جو کچھ ہے وہ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتی ہوں۔‘‘

ارجمند نے عاجزی سے کہا۔ ’’میری سمجھ میں تو آتا نہیں اگر تم جانتی ہو تو بتادو مجھے۔‘‘

زبیدہ نے کہا۔ ’’اس کا علاج صرف یہ ہے کہ اس وہم اور ان اندیشوں کی کوئی گنجائش ہی نہ چھوڑی جائے اور اس وقت کے آنے سے پہلے ہی ہم دونوں قانونی اور شرعی طور پر ایک دوسرے کے ہوجائیں۔‘‘

ارجمند نے کہا۔ ’’تمہارا مطلب ہے کہ ہم نکاح کرلیں۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ صرف ایک شرط ہے کہ فی الحال اس نکاح کا اعلان نہ کیا جائے ورنہ اس وقت ایک آفت مچ جائے گی۔‘‘

زبیدہ نے شرعی نکتہ نکالا۔ ’’اعلان نہ کیا جائے؟۔۔۔۔۔۔۔ حالانکہ نکاح کے لیے اعلان ضروری ہے۔‘‘

ارجمند نے کہا۔ ’’تم سمجھیں نہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ فی الحال ہم دونوں چل کر نکاح پڑھوائے لیتے ہیں۔ میرے چند دوست ہیں جو اس کا اہتمام کردیں گے اس کے بعد مناسب وقت پر اعلان کردیں گے۔‘‘

زبیدہ نے کہا۔ ’’وہ مناسب وقت کب آئے گا؟‘‘

ارجمند نے کہا۔ ’’جب گل رخ کی صحت کے سلسلے میں یہ امید وبیم کا دور ختم ہوجائے۔ اس وقت اگر ہم نے اعلان کیا تو دنیا ہم پر تھوکے گی کہ کیسی خطرناک حالت میں تو گل رخ پڑی ہوئی ہے۔ سارا گھر تہہ وبالا ہو رہا ہے۔ ہر شخص سراسیمہ ہے اور ان دونوں کو شادی رچانے کی سوجھی ہے۔ یہ جو حکیم صاحب ہیں بخدا زندگی عذاب کردیں گے البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہمارا نکاح اس وقت خاموشی کے ساتھ ہوجائے اس کے بعد اگر گل رخ صحت یاب ہوکر خالد کی ہوجاتی ہے تو سبحان اللہ ورنہ جب اس طرف کی یہ تحریک ہوگی جس کا تم کو اندیشہ ہے تو ہم دونوں کھل کر سامنے آجائیں گے۔ تم اندازہ تو کرو کہ اس وقت اگر نکاح کا اعلان کیا تو کسی اور کا تو کوئی سوال ہی نہیں خود تمہارے بھائی نعیم صاحب کا کیا حال ہوگا؟‘‘

زبیدہ نے رکھائی سے کہا۔ ’’مجھے اپنے بھائی کی اتنی پروا نہیں ہے جتنی تم کو اس بڈھے خبطی کی ہے۔‘‘

ارجمند نے کہا۔ ’’مجھے حکیم صاحب کی پروا نہیں ہے نہ میں ان کا کسی معاملہ میں دست نگر ہوں میں تو اپنے کو اور تم کو سنگدلی کے الزام اور انسانیت سوزی کے اتہام سے بچانے کے لیے کہہ رہا ہوں کہ فی الحال ہم دونوں اس نکاح کو عارضی طور پر راز میں رکھیں۔‘‘

زبیدہ نے کہا۔ ’’ضرورت تو نہیں ہے لیکن اگر تم اس کو مناسب سمجھتے ہو تو چلو یہی سہی کچھ تو مضبوطی ہونا چاہیے۔ تو پھر میں تیار ہوتی ہوں تم بھی تیار ہوجاؤ چلنے کے لیے۔‘‘

ارجمند نے کہا۔ ”یعنی ابھی۔۔۔۔۔۔۔ گویا اسی وقت؟ مجھے اپنے احباب کے ذریعہ انتظام کرنے کا تو موقع دو۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”کسی انتظام کی ضرورت نہیں میں ساتھ چلتی ہوں اپنے احباب کو ساتھ لیجیے قاضیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔“

ارجمند کو زبیدہ نے اس وقت ایسا گھیرا کہ اس کے لیے واقعی کوئی جائے فرار باقی نہ رہی اور مجبوراً اس کو تیار ہونا ہی پڑا حالانکہ معلوم نہیں کیوں اس کو محسوس یہ ہو رہا تھا کہ جیسے وہ کوئی شدید گناہ کر رہا ہے مگر زبیدہ اس کو گھیر کر اس طرح لے گئی جس طرح شوق بچوں کو مکتب کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ ارجمند نے زبیدہ کے ساتھ اپنے دوست محسن کے یہاں پہنچ کر اور یہ ماجرا سنا کر اس کو بھی حیران کر دیا مگر محسن نے اسی وقت اپنے اور ارجمند کے چند مخصوص احباب کو یکجا کر دیا۔

ادھر محسن کی بیوی نے زبیدہ کو ایک طرف تو میاں کے کہنے سننے سے دلہن بنانا شروع کر کیا دوسری طرف چپکے چپکے میاں کو ڈانٹنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا کہ دیکھ لینا ان حماقتوں کی وجہ سے کسی نہ کسی دن تم پھنس جاؤ گے۔ اللہ جانے کہاں سے یہ اٹھائی گیرا ارجمند کس کی لڑکی کو بھگا کر لایا ہے اور چپکے چپکے نکاح پڑھوائے لیتا ہے۔ اگر اسی وقت پولیس کا چھاپہ پڑ جائے تو باپ دادا کی عزت ٹکے سیر ہو کر رہ جائے۔ اور محسن اپنی بیوی کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا تھا کہ یہ کوئی اغوا وغیرہ کا قصہ نہیں ہے۔ لڑکی بالغ ہونے سے بھی کافی زیادہ ہو چکی ہے۔ خود ارجمند بھی اپنی برائی بھلائی کا ذمہ دار ہے مگر بیوی کے اس اعتراض کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا کہ اگر کوئی بات ہے تو یہ چوری کیوں ہو رہی ہے۔ یہ ہتھیلی پر سرسوں کیوں جمائی جا رہی ہے۔ یہ چٹ منگنی پٹ بیاہ کی کیا ضرورت ہے۔ آخر محسن کو پورا قصہ اپنی بیوی کو سمجھا کر رام کرنا پڑا اور بمشکل تمام چند دوست جا کر ایک قاضی بھی اللہ جانے کہاں سے پکڑ کر لائے۔ محسن بنے وکیل اور دوستوں کو بنایا گیا گواہ اور پچیس ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت کا مہر نصف معجل اور نصف موجل طے پا کر نکاح ہو گیا۔ نکاح کے بعد محسن غریب کو باقاعدہ حاضرین کی تواضع چائے اور ناشتہ سے کرنا پڑی۔ اس کے بعد زبیدہ اور ارجمند جو اب میاں بیوی بن چکے تھے جب واپس لوٹنے لگے تو ارجمند کا یہ دیکھ کر دم ہی نکل گیا کہ زبیدہ کے سر پر افشاں چھڑکی ہوئی ہے اور ہاتھوں میں مہندی رچی ہوئی ہے۔ وہ تو کہیے خیریت ہوئی کہ اتنی جلدی مہندی کا گہرا رنگ ہاتھ پر نہ آیا تھا ورنہ اور بھی مصیبت ہوتی۔ ارجمند نے یہ حلیہ دیکھ کر کہا۔

”خدا کے لیے اس طرح گھر نہ چلو ورنہ آج یہ بھانڈا پھوٹ جائے گا۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”نہیں میں کہہ دوں گی کہ میں اپنی سہیلی گلنار کی شادی میں گئی تھی وہاں یہ افشاں چھڑک دی گئی ہے۔“

ارجمند نے سختی سے کہا۔ ”بیگم صاحبہ خدا کے لیے اب تو اپنے سہاگ کی خیر منائیے۔ مار ڈالا جاؤں گا میں آج ہی۔ یہ افشاں صاف کر لیجیے۔“

زبیدہ نے ایک فرمانبردار بیوی کی طرح افشاں صاف کی اور یہ دونوں میاں بیوی جب گھر لوٹ رہے تھے تو ارجمند نے کہا۔ ”بیگم

صاحب اب تو خوش ہیں آپ؟''
زبیدہ نے مسکرا کر اپنا سر سیٹ پر رکھ دیا۔

گل رخ نہایت تیزی سے اور نہایت قابل اطمینان طریقے پر صحت یاب ہو رہی تھی۔ خالد تو خیر اب اس کے پاس جاتا ہی نہ تھا مگر اسد کی رپورٹ یہ تھی کہ اس کا دماغی توازن رفتہ رفتہ معمول پر آ رہا ہے چنانچہ اس نے ڈاکٹر اسد کو قطعاً نہ پہچانا بلکہ اس سے وہ برابر اسی قسم کے سوالات کیا کرتی تھی کہ مجھ کو میرے گھر سے یہاں کون لایا تھا۔ میرے باپ کہاں ہیں؟ میں یہاں کیوں ہوں؟ میرے سر میں یہ چوٹ کب لگی تھی جس کا یہاں علاج ہو رہا ہے؟

آخر ایک دن ڈاکٹر اسد نے نرسنگ ہوم سے آ کر خالد، حکیم صاحب، ارجمند، زبیدہ اور بیگم صاحبہ کی موجودگی میں بتایا۔

''آج تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اب گل رخ کے دماغ میں کسی قسم کی کوئی خرابی باقی نہیں ہے۔ وہ اپنے گھر کا نہایت مفصل پتہ بتا رہی تھی، حکیم صاحب کا نام حلیہ وغیرہ سب سمجھا رہی تھی کہ وہ کہاں ہیں اور ان کو میری اس بیماری کی کوئی خبر ہے یا نہیں؟''

خالد نے کہا۔ ''پھر تم نے کیا کہا؟''

اسد نے کہا۔ ''میں نے تو اس سے صرف یہ کہہ دیا ہے کہ آپ ایک موٹر کے حادثے میں زخمی ہو کر اس اسپتال میں لائی گئی تھیں ہم کو کچھ نہیں معلوم کہ آپ کے والد کہاں ہیں۔ ایک آدھ روز میں آپ تندرست ہو کر خود اپنے گھر پہنچ جائیے گا۔''

خالد نے کہا۔ ''یہ تو ٹھیک ہے مگر آج تم اس کو کھڑے ہونے اور کچھ دور ٹہلنے کی اجازت دینے والے ہو۔''

اسد نے کہا۔ ''وہ تو میں نے اس کو کمرے کے اندر تھوڑا سا ٹہلا بھی دیا۔ اب شام کو کمرے کے باہر نکالوں گا۔ اب وہ بالکل ٹھیک ہے مگر حیرت ہے کہ آپریشن کے پہلے وہ مجھ کو اتنا دیکھ چکی تھی اور اب قطعاً پہچانتی نہیں۔''

خالد نے کہا۔ ''ظاہر ہے کہ وہ دور اس کے حافظہ میں نہیں ہو سکتا جو دماغی خرابی کے زمانہ میں گزرا ہے، مگر۔۔۔۔۔۔''

خالد کچھ کہتے کہتے رکا اور کسی گہری فکر میں محو ہونے کے بعد اس نے یک لخت کہا۔ ''اسد میں آج اس سے ملوں گا۔ میں ابھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔''

اسد نے کہا۔ ''کیوں بات کیا ہے؟ ایک دم سے تمہاری رائے کیوں بدل گئی؟''

خالد نے کہا۔ ''اگر بقول تمہارے وہ بالکل صحت یاب ہو چکی ہے تو اب میرے وہاں جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ دوسرے مجھے دیکھنا یہ ہے کہ وہ مجھے کس حد تک پہچانتی ہے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ مجھ سے بھی وہ اپنے اسی دور میں ملی ہے جو اب اس کے حافظہ میں محفوظ نہیں ہے اس کو اگر یہ بھی یاد نہیں ہے کہ وہ یہاں کیوں کر آئی اور وہ تم کو بھی نہیں پہچان سکتی تو مجھے اندیشہ ہے کہ شاید مجھے بھی وہ اجنبی سمجھے۔''

حکیم صاحب بول اٹھے۔ ''اگر آپ کو بھی نہ پہچان سکے تو بہت کمال ہے۔''

اسد نے کہا۔ ''جی نہیں، اس میں کمال کی کوئی بات نہیں اگر اس کا وہ حافظہ عود کر آیا ہے جو اس خلل سے پہلے تھا اس کو وہ دور یاد نہیں ہو سکتا جو اس درمیانہ عرصہ میں اس پر گزرا ہے۔''

حکیم صاحب نے کہا۔ ''تو پھر اب میرے بھی وہاں چلنے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیے۔''

خالد نے کہا۔ ''جی نہیں آپ فی الحال تھوڑا سا اور صبر کر لیں بلکہ ذرا احتیاط رکھئے گا کہ آپ کو یا ارجمند صاحب کو وہ دیکھنے نہ پائے وہ آج باہر ٹہلانے کو نکالی جائے گی۔ ایسا نہ ہو کہ آپ دونوں میں سے کوئی اس کے سامنے آ جائے۔''

ارجمند نے کہا۔ ''آپ اطمینان رکھئے ہم اس کی پوری احتیاط کریں گے۔''

ان سب کو سمجھا بجھا کر خالد جس وقت ڈاکٹر اسد کے ساتھ گل رخ کے کمرے میں پہنچا۔ وہ لیٹی ہوئی تھی مگر ان دونوں کو دیکھ کر وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر اسد نے مزاج پرسی کے بعد اس سے کہا۔

''ان کو تو آپ جانتی ہوں گی ڈاکٹر خالد کو؟''

گل رخ نے ڈاکٹر خالد کو نہایت غور سے دیکھنے کے بعد مسکرا کر کہا۔ ''یاد نہیں آتا شاید کبھی دیکھا ہو کیا اسم مبارک بتایا؟''

اسد نے کہا۔ ''ڈاکٹر خالد صاحب، آپ کے اصل معالج تو یہی ہیں۔ آپ ان سے ایک دو مرتبہ نہیں مسلسل مہینوں مل چکی ہیں۔''

گل رخ نے پھر دماغ پر زور ڈال کر یاد کرنے کی کوشش میں ناکام رہ کر کہا۔ ''یہ کب کا واقعہ ہے؟ مجھے بالکل یاد نہیں آ رہا ہے۔ بہر حال پہلے نہ سہی آج تو مل ہی لی ہوں، کیا یہ کافی نہیں ہے۔''

خالد نے کہا۔ ''کاش اتنا ہی کافی ہوتا۔ بہر صورت اگر میں آپ کو یاد نہیں رہا ہوں تو میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اب آپ بالکل تندرست ہیں اور جس شکایت میں اب تک آپ مبتلا تھیں اس میں مبتلا ہونے کا احساس اب خود مجھے ہو رہا ہے۔''

خالد نے نجانے یہ الفاظ کس طرح ادا کئے اور اس کے بعد وہ ٹھہر نہ سکا۔ بلکہ اس طرح کمرے سے باہر نکل گیا جیسے ایک جواری اپنے آخری داؤ پر اپنی ساری کائنات ہار کر دامن جھاڑتا ہوا قمار خانے سے نکل گیا۔ ڈاکٹر اسد خاموش تھا اور خود گل رخ ایک سکتہ کے عالم میں تھی کہ یہ قصہ کیا ہے اور جو کچھ خالد نے کہا ہے اس کا مفہوم کیا ہے۔

آخر ڈاکٹر اسد نے اس کو نہایت تفصیل سے شروع سے آخر تک کی تمام داستان سنا ڈالی کہ وہ کس طرح ایک سفر میں ڈاکٹر خالد کو ملی، وہ کس طرح اس کو اپنے ساتھ لایا اور اس نے کس طرح اپنے دل میں زبیدہ کی جگہ اس کو دے کر اپنی تمام امیدوں کا مرکز خود اس کو بنا لیا۔ پھر حکیم صاحب اور ارجمند کس طرح یہاں پہنچے اور اس نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ آپ ایک خاص قسم کے دماغی خلل میں مبتلا ہیں اور اس

خلل کی کیا وجہ ہے‘ کس طرح آپ کا علاج شروع کیا اور اس آپریشن میں اپنے فن جراحی کا کتنا بڑا شاہکار پیش کیا۔ یہ تمام روداد گل رخ نہایت غور سے سنتی رہی اور جب ڈاکٹر اسد نے آخر میں یہ کہا۔۔۔۔۔۔۔ ’’اب آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ دل شکستہ خالد کے ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے جو وہ ابھی آپ سے کہہ کر اپنا سب کچھ لٹا کر یہاں سے گیا ہے۔‘‘

یہ سن کر گل رخ نے کہا۔ ’’عجیب داستان ہے۔ کچھ عجیب سا خواب بیان کر گئے آپ اور خواب بھی وہ جو اصولاً مجھ کو دیکھنا چاہیے تھا مگر میری طرف سے دیکھا ہے آپ سب نے۔ بہرحال اگر یہ سچ ہے کہ میری دماغی کیفیت یہی تھی جو آپ نے بیان کی ہے تو اپنی اس دماغی کیفیت کی میں ذمہ دار کیوں کر ہو سکتی ہوں اور تعجب ہے ڈاکٹر خالد صاحب پر کہ وہ اتنے بڑے ماہر امراض دماغ ہو کر ایک پگلی سے اپنی امیدیں وابستہ کر بیٹھے اور ایک پگلی کی باتوں پر اعتبار کر کے اتنی دور جا پہنچے کہ اب وہاں سے واپسی ان کے لیے ایک مرحلہ بن کر رہ گئی ہے۔‘‘

اسد نے کہا۔ ’’آپ غلط سمجھ رہی ہیں بہن صاحبہ! ڈاکٹر خالد نے جس وقت آپ سے اپنی امیدیں وابستہ کی تھیں اس وقت تک اس کو یہ شبہ بھی نہ تھا کہ آپ دماغی طور پر ماؤف ہیں۔‘‘

گل رخ نے کہا۔ ’’کمال ہے کہ ایک ماہر معالج بھی یہ نہ سمجھ سکے بہرصورت بعد میں تو ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ میں اپنے حواس میں نہیں ہوں اور یہ سب کچھ دیوانگی کے عالم میں ہوا ہے۔‘‘

اسد نے کہا۔ ’’جی ہاں بعد میں تو معلوم ہو گیا تھا۔ مگر یہ معلوم ہونا بعد از وقت تھا۔ وہ اس وقت تک اس منزل تک پہنچ چکا تھا‘ جہاں سے واپسی ناممکن ہوتی ہے۔‘‘

گل رخ نے اس ذکر سے الجھ کر کہا۔ ’’بہرحال ڈاکٹر صاحب میں سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتی ہوں کہ مجھے بیچارے ڈاکٹر خالد سے واقعی ہمدردی ہے مگر میری ہمدردی ان کے کس کام کی جبکہ میں ان کی کچھ مدد نہیں کر سکتی۔ مجھے تو آپ یہ بتائیے کہ میرے والد اور ارجمند اب کہاں ہیں۔ میں سب سے پہلے ان سے ملنا چاہتی ہوں۔‘‘

اسد نے اب تفصیل سے ارجمند اور زبیدہ کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالی اور اس کو من و عن سب کچھ بتا دینا ضروری سمجھا کہ ارجمند اس کی طرف سے مایوس ہو کر کس حد تک زبیدہ سے وابستہ ہو چکا ہے مگر یہ قصہ گل رخ نے مکمل بھی نہ ہونے دیا اور بیچ ہی میں بات کاٹ کر کہا۔

’’جو کچھ آپ کہہ چکے ہیں اور جو کچھ اب کہنا چاہتے ہیں وہ میں سمجھ گئی ہوں اور مزید تفصیلات میں جانا اس لیے نہیں چاہتی کہ یہ غلط فہمی آپ کو اس لیے ہو سکتی ہے کہ آپ ارجمند سے واقف نہیں ہیں اور مجھے یہ غلط فہمی اس لیے نہیں ہو سکتی کہ میں اس کو اچھی طرح سے جانتی ہوں بلکہ اگر یہ دعویٰ کروں تو غلط نہ ہو گا کہ ارجمند کو مجھ سے زیادہ شاید کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔‘‘

اسد نے اب تقریباً مشتعل ہو کر کہا۔ ''اگر آپ ان کے متعلق اس حد تک خوش فہمی سے کام لے سکتی ہیں تو میں کیا کہہ سکتا ہوں بہر صورت آپ کو ایک بے لوث ہمدرد کی حیثیت سے سب کچھ بتا دینا میرا کام تھا آئندہ آپ کو اختیار ہے۔''

گل رخ نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔ ''ڈاکٹر صاحب آپ کے خلوص اور آپ کی ہمدردی میں مجھے قطعاً شک نہیں ہے میں آپ کے اس جذبہ کی سچے دل سے قدر کرتی ہوں کہ جو کچھ آپ نے دیکھا ہے وہ مجھے بتا دینا ضروری سمجھا مگر آپ واقعی ارجمند کو نہیں جانتے۔ آپ نے جو کچھ دیکھا ہے وہ بالکل درست ہے مگر جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ بہر حال آپ مجھ پر صرف یہ عنایت کر دیجئے کہ مجھے میرے والد اور ارجمند سے جس قدر جلد ممکن ہو ملا دیجئے۔''

ڈاکٹر اسد نے حکیم صاحب اور ارجمند کو لا کر ملانے کا وعدہ کیا اور وہاں سے آ کر خالد کو ڈھونڈتے ہوئے اس کے کمرے میں پہنچے جہاں وہ تنہا ایک آرام کرسی پر لیٹا سگریٹ کے کش پر کش لگا رہا تھا اور ایش ٹرے میں جلے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑوں کا ایک انبار لگ چکا تھا جن سے اسد کو فوراً اندازہ ہو گیا کہ اس کا دوست کس دماغی الجھن میں مبتلا ہے۔ اسد نے خالد کو اپنی اور گل رخ کی گفتگو کی تمام تفصیل سنا کر کہا۔

''اب کیا خیال ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ حکیم صاحب اور ارجمند سے اب اس کو ملا ہی دیا جائے۔''

خالد نے کہا۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے۔ باقی تمام باتوں کو چھوڑ دو افسوس صرف یہ ہے کہ ارجمند اس کو پھر شدید دماغی صدمہ پہنچائے گا اور وہ بمشکل اس صدمہ کو برداشت کر سکے گی۔''

اسد نے کہا۔ ''کیا معلوم ارجمند اس کو صدمہ پہنچائے گا یا زبیدہ کو۔ ایسے تھالی کے بینگنوں کا کیا اعتبار۔ بہر صورت ہماری بلا سے وہ کسی کو صدمہ پہنچائے ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔''

خالد نے کہا۔ ''یہ تو ٹھیک ہے مگر خدا کرے یہ صورت پیش نہ آئے کہ وہ غریب پھر اس صحت یابی کے بعد اپنے مرض کی طرف واپس ہو جائے۔''

اسد نے یہ بات سنی ان سنی کر دی اور وہ حکیم صاحب اور ارجمند کو گل رخ سے ملانے کے لیے چلا گیا۔

حکیم صاحب بے چارے تو خیر منتظر ہی تھے کہ کب ان کو گل رخ سے ملایا جاتا ہے مگر ڈاکٹر اسد کو ہر طرف ڈھونڈنے کے باوجود ارجمند نہ مل سکا لہٰذا وہ مجبوراً صرف حکیم صاحب ہی کو لے کر گل رخ کے کمرے میں پہنچا۔ وہ منظر واقعی دل ہلا دینے والا تھا جب یہ دونوں باپ بیٹی ملے ہیں۔ حکیم صاحب وفور جذبات سے لرزہ براندام تھے۔ اور بار بار بیٹی کو گلے لگا لگا کر اس کا چہرہ غور سے دیکھتے تھے اور دیوانہ وار کہے جاتے تھے۔

”ڈاکٹر خالد نے تمہارا علاج نہیں کیا ہے بلکہ مجھ کو نئی زندگی بخش دی ہے۔“

گل رخ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے مگر وہ اس کیفیت کے باوجود بار بار دروازے کی طرف اس طرح دیکھ رہی تھی گویا اب بھی اس کو کسی کا انتظار ہے۔ ڈاکٹر اسد نے اس کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے کہا۔

”وہ غالباً کہیں چلے گئے ہیں، میں ابھی ان کو ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”اب وہ کہاں جا سکتا ہے۔ اس کو ڈھونڈ کر لائیے ڈاکٹر صاحب تا کہ اس کے سامنے ہی ان صاحبزادی سے کہہ دوں کہ اگر یہ اس کو پسند کرتی ہیں تو اب میں بھی ناپسند نہیں کرتا ہوں۔“

گل رخ نے دوپٹہ کے آنچل میں اپنا چہرہ چھپا کر منہ دوسری طرف پھیر لیا اور ڈاکٹر اسد کمرے کے باہر آ گئے۔ وہ ابھی اس کو تلاش کرنے کوٹھی کی طرف جا ہی رہے تھے کہ باغیچہ کے اس گوشہ میں اس کو اور زبیدہ کو دیکھ کر ڈاکٹر اسد کچھ ٹھٹھک سے گئے اور ذرا سی آڑ لے کر اس راز و نیاز کو تھوڑی دیر سنتے رہے جو ارجمند اور زبیدہ کے درمیان جاری تھے۔ اسی وقت ڈاکٹر اسد کی آنکھوں میں ایک چمک سی آ گئی اور وہ تیزی کے ساتھ گل رخ کے کمرہ کی طرف واپس آ کر کمرے میں داخل ہو گئے جہاں حکیم صاحب اور گل رخ ایک دوسرے کو پا کر بے حد خوش تھے۔ ڈاکٹر اسد نے آتے ہی کہا۔

”بہن میں نے ارجمند صاحب کو ڈھونڈ تو نکالا ہے مگر وہ یہاں نہ آ سکیں گے بلکہ خود آپ ہی کو تکلف کرنا پڑے گا۔ شرط صرف یہ ہے کہ دبے پاؤں آپ دونوں میرے ساتھ آ جائیں اور جو کچھ میں دکھاؤں یا جو کچھ میں سنواؤں وہ خاموشی سے اس وقت سنتے رہیں جب تک میں آپ کو خاموش رہنے کو کہوں۔“

حکیم صاحب نے کہا۔ ”خیریت تو ہے؟“

ڈاکٹر اسد نے کہا۔ ”ویسے کوئی خاص بات نہیں مگر ذرا دیر میری درخواست پر آپ دونوں خاموشی سے ایک تماشا دیکھ لیں۔ اس کے بعد آپ کو خود خیریت معلوم ہو جائے گی۔“

گل رخ نے کہا۔ ”جی ہاں چلئے، میں بالکل خاموش رہوں گی۔“

ڈاکٹر اسد کو خیال آیا کہ گل رخ بغیر سہارے کے اس جگہ تک نہ جا سکے گی جہاں سے وہ یہ منظر اس کو دکھانا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے گل رخ کو سہارا دے کر آہستہ آہستہ اس جگہ تک پہنچا دیا جہاں سے ارجمند اور زبیدہ دونوں کو یہ دونوں بھی دیکھ سکتے تھے اور جو باتیں ہو رہی تھیں وہ سن بھی سکتے تھے۔ گل رخ اور حکیم صاحب دونوں نہایت خاموشی سے اس کنج میں بیٹھ گئے۔ اس وقت ارجمند، زبیدہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

“وہم کا علاج تو لقمان کے پاس بھی نہیں ہے مگر میں تو یہ حیران ہوں تم کو مجھ پر اعتبار کیوں نہیں ہے۔”

زبیدہ نے کہا۔ “آپ میری بات کیوں نہیں سمجھتے‘ مجھے آپ سے زیادہ اعتبار اور کس پر ہو سکتا ہے مگر آپ بھی آخر انسان ہیں۔ گل رخ نے آپ کے لیے اتنی بڑی قربانی دی ہے کہ وہ پہلے تو اپنے باپ سے مقابلہ کرتی رہی اور جب اس مقابلہ میں اس کو بے بسی کا احساس ہوا تو وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی۔ دربدر خاک چھانتی پھری یہاں تک کہ وہ یہاں پہنچی اور یہاں اتنے دن اپنے سے بے خبر پڑی رہی مگر جب اس کا علاج کامیاب ہو گیا تو دماغ کے ٹھکانے آتے ہی اس نے سب سے پہلے آپ ہی کو یاد کیا۔ کیا ان میں سے کسی بات کا آپ پر اثر نہ ہوگا۔”

ارجمند نے کہا۔ “کیسی پاگل پن کی باتیں کر رہی ہو جو کچھ تم کہہ رہی ہو وہ ٹھیک ہے مگر یہ کیفیت جو تم نے اس کی بیان کی ہے اس کا مجھ سے کیا تعلق؟ میری جو کیفیت ہے وہ تم جانتی ہو کہ گل رخ سے مجھ کو اب کوئی دلچسپی نہیں۔ جس سے دلچسپی تھی اس کو میں نے حاصل کر لیا ہے اور اب میں گل رخ کی دسترس سے نکل چکا ہوں۔”

زبیدہ نے کہا۔ “آپ پر صرف گل رخ ہی کا زور نہ پڑے گا بلکہ حکیم صاحب۔۔۔۔۔۔”

ارجمند نے حکیم صاحب کا نام سنتے ہی کہا۔ “اس بڈھے خبیث سے مجھ کو کیا مطلب؟”

یہ سنتے ہی حکیم صاحب نے بلبلا کر اٹھنے کی کوشش ہی کی تھی کہ اسد نے اس کا شانہ دبا کر اس کو بٹھاتے ہوئے اپنی انگلی اپنے لبوں پر رکھ خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ارجمند ان کی شان میں مسلسل قصیدہ پڑھ رہا تھا۔

“میں کون سا ان کا دیا کھاتا ہوں۔ کس اعتبار سے ان کے احترام اور ان سے سعادت مندی کے لیے مجبور ہوں۔ جب گل رخ ہی سے کوئی واسطہ نہیں تو حکیم صاحب کی مجھے کیا پروا ہو سکتی ہے۔ وہ کھوسٹ تو اگر آدھی بات بھی کرے تو مزاج درست کر دوں اس کا۔ اس کی دھمکی اچھی دی آپ نے۔”

زبیدہ نے کہا۔ “گل رخ اور حکیم صاحب کے علاوہ خالد‘ نعیم بھائی جان اور آنٹی سب ہی مل کر آپ پر زور ڈالیں گے اور آپ تنہا سب کا مقابلہ آ کر کس طرح کریں گے؟”

ارجمند نے کہا۔ “نہایت بیوقوفی کی باتیں کر رہی ہو زبیدہ‘ اگر یہ بات ہم دونوں کے نکاح سے پہلے ذہن میں آتی تو ایک بات بھی تھی مگر اب تو ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔ اب ان وہموں نے تم کو کیوں گھیر رکھا ہے؟”

زبیدہ نے کہا۔ “مگر اس نکاح کی اطلاع تو سوائے ہم دونوں کے اور کسی کو نہیں ہے۔”

ارجمند نے کہا۔ ''نکاح ہو چکا ہے تو اطلاع بھی ہو جائے گی یہ کون سی بڑی بات ہے۔''

یہ نکاح والی بات خود ڈاکٹر اسد کے لیے بھی نئی تھی اس کے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان دونوں کا نکاح ہو چکا ہے چنانچہ حکیم صاحب نے اس کو اور اس نے حکیم صاحب کو غور سے دیکھا البتہ صرف گل رخ نہایت خاموشی، صبر اور تحمل سے یہ سب کچھ سن رہی تھی پھر وہ نہایت وقار کے ساتھ اٹھی اور بغیر ڈاکٹر اسد سے مشورہ لیے ہوئے بغیر کسی سہارے کے خود ہی اس کنج سے نکل کر مسکراتی ہوئی ارجمند اور زبیدہ کے سامنے آ گئی۔ اور ان دونوں کو اپنی آواز سے چونکا دیا۔

''یہ فخر میں حاصل کرنا چاہتی ہوں کہ اس نئے شادی شدہ جوڑے کو سب سے پہلے نہایت پر خلوص مبارکباد میں ہی دوں۔''

اور اس کے بعد ہی حکیم صاحب کڑکے۔ ''دغاباز، مکار''

گل رخ نے ان کو روکا۔ ''ابا جان یہ غلط ہے۔ اس خوشی کے موقع پر آپ اس قسم کی بدمزگی پیدا نہ کریں۔ خوشی صرف یہی نہیں ہے کہ ان دونوں کی شادی ہوئی ہے بلکہ سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت بچا لیا جب ہر قسم کے گردابوں سے بچ نکلنے والی میری کشتی اعتماد کے گرداب میں پھنس کر ڈوبنے والی تھی۔''

حکیم صاحب نے کہا۔ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری بچی کو اس لفنگے سے محفوظ رکھا۔''

ارجمند نے کچھ کہنا چاہا جو نہ کہہ سکتے مگر زبیدہ نے کہا۔ ''حکیم صاحب آپ کو زبان پر قابو رکھنا چاہیے۔''

حکیم صاحب نے کہا۔ ''صاحبزادی میرے ان الفاظ کی تصدیق آج نہ سہی مگر کل تم خود کرو گی۔''

گل رخ نے کہا۔ ''خدا نہ کرے ایسا ہو۔''

اور اس کے بعد اس نے ڈاکٹر اسد سے کہا۔ ''ڈاکٹر صاحب مجھے اعتراف ہے کہ آپ کی تشخیص درست نکلی۔ آپ صرف نباض ہی نہیں مردم شناس بھی ہیں اور وہ کہاں ہیں آپ کے دوست؟ میرے معالج جس شکایت میں کچھ دن پہلے مبتلا تھی اسی میں مبتلا ہو کر آخر وہ کہاں گئے؟ میں احسان کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں انہوں نے میرا علاج کیا ہے میں اب ان کا علاج کرنا چاہتی ہوں۔''

حکیم صاحب کی سمجھ میں کچھ نہ آ سکا۔ ''یعنی۔۔۔۔۔۔۔گویا۔۔۔۔۔۔۔بہرحال۔۔۔۔۔۔۔میں اس کو انسان نہیں بلکہ فرشتہ سمجھتا ہوں۔ خالد واقعی ہیرا ہے ہیرا، کوہ نور، دریائے نور اور۔۔۔۔۔۔۔اور کیا تعریف کروں اس کی!''

گل رخ ڈاکٹر اسد کا سہارا لیے آگے بڑھ رہی تھی۔ حکیم صاحب بھی ساتھ تھے اور یہ دونوں اسی جگہ بت بنے کھڑے تھے جہاں ابھی ان کی نقاب کشائی ہوئی تھی۔

ابھی یہ تینوں کوٹھی کے برآمدے تک ہی پہنچے ہوں گے کہ ڈاکٹر کی خالد کی والدہ کو برآمدے میں دیکھتے ہی حکیم صاحب نے کہا۔ ''چہرہ

پر جوتازگی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے وہ لعوق شروع کر دیا ہے جو میں نے تجویز کیا تھا۔“

بیگم صاحب نے کہا۔ ”بھاڑ میں گیا لعوق، میں اپنی بچی کو تو گلے سے لگالوں۔ آخر خدا نے میری دعائیں سن ہی لیں۔“

ڈاکٹر اسد نے کہا۔ ”اس حد تک سن لیں کہ جس کو آپ بچی کہہ رہی ہیں وہ اب آپ کی بہو ہے۔“

گل رخ نے شرم سے گردن جھکالی اور اسی حالت میں بیگم صاحبہ نے اس کو چمٹالیا اور دعاؤں کے دفتر کھول کر رکھ دیئے۔ اسد نے کمرے میں جا کر خالد کو پوری رپورٹ سنادی جس پر خالد کو تو کم مگر نعیم کو بے حد تعجب ہوا۔ اور جب یہ تفصیل بیگم صاحبہ کو پہنچی تو وہ بھی ہکا بکا رہ گئیں۔ ارجمند اور زبیدہ کو خود خالد نے جا کر تلاش کیا مگر معلوم ہوا کہ دونوں ابھی باہر جا چکے ہیں۔ اور جب خالد نے یہ اطلاع یہاں آ کر دی تو حکیم صاحب بول اٹھے۔ ”خس کم جہاں پاک“ مگر بیگم صاحب نے سو باتوں کی ایک بات کہہ دی۔

”وہ جہاں بھی رہیں خوش رہیں مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی چاندی بہو دے دی ہے میں کسی کا برا کیوں چاہوں۔“

◆◆◆